حیاتِ نو

جو قوم خدا کی کتاب رکھتی ہو اور پھر ذلیل و خوار اور
محکوم و مغلوب ہو تو سمجھ لیجئے کہ وہ ضرور کتابِ الٰہی
پر ظلم کر رہی ہے اور اس پر یہ وبال اسی ظلم کا
ہے خدا کے اس غضب سے نجات پانے کی اس
کے سوا کوئی صورت نہیں کہ اس کی کتاب کے ساتھ
ظلم کرنا چھوڑ دیا جائے اور اس کا حق ادا کرنے
کی کوشش کی جائے اگر آپ اس گناہ عظیم سے
باز نہ آئیں گے تو آپ کی حالت ہرگز نہ بدلے گی.
خواہ آپ گاؤں گاؤں کالج کھول دیں اور آپ
کا بچہ بچہ گریجویٹ ہو جائے اور آپ یہودیوں کی
طرح سود خوری کرکے کروڑپتی ہی کیوں نہ بن جائیں!

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ہمدردانِ انجمن کے نام

محترمی و مکرمی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

امید کہ مزاجِ گرامی بخیر ہوگا۔

طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کو مقاصدِ جامعہ کے حصول کیلئے منظم کرنے خوابیدہ صلاحیتوں کو مفید بنانے نیز دیگر دینی و تعلیمی اداروں کے باہم ربط و تعاون پیدا کرنے کیلئے ابھی ایک انجمن "انجمن طلبہ قدیم" کے نام سے قائم ہے جو برابر مختلف تعمیری منصوبے بنا کر انہیں عملی جامہ پہنانی رہتی ہے جیسا کہ بہت سے منصوبے آپکے سامنے بھی آتے رہے ہیں اور انکی تکمیل میں آپ کا بھرپور تعاون بھی ہمیں حاصل ہوتا رہا ہے فجزاکم اللہ خیر الجزاء۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی اجلاس عام اور سمینار کا انعقاد بھی ہے۔ اس سے قبل "دینی مدارس کے مسائل اور ان کا حل" کے عنوان پر ایک سمینار ہو چکا ہے اور الحمد للہ کافی مفید رہا۔ امسال بھی ۲۸ر تا ۳۰ر اکتوبر ۱۹۹۶ء کو مادرِ علمی جامعۃ الفلاح میں اجلاس عام کے موقع سے پھر ایک سمینار منعقد کیا جا رہا ہے جس کا عنوان "ملک و ملت کی تعمیر اور دینی مدارس" منتخب کیا گیا ہے یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ ہندوستان میں دینی مدارس ہی اسلام کے قلعے کی حیثیت رکھتے ہیں اور ماضی میں تحفظ دین اور اشاعت دین کی عظیم خدمات انجام دے چکے ہیں۔ جنہیں کبھی بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن ایک سوال یہ ہے کہ کیا وہ بحالت موجودہ اپنا بنیادی رول ادا کر رہے ہیں؟ عام احساس یہ ہے کہ کما حقہٗ نہیں تو فوراً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر وہ کیسے یہ بنیادی رول ادا کرنے پر آمادہ ہوں۔ اس فریضہ کو انجام دینے کیلئے کیا طریقہ اپنائیں۔ کیا تیاریاں کریں، کیا تبدیلیاں لائیں، وغیرہ۔ ان شاء اللہ انہیں سوالات کے جوابات اس سمینار میں تلاش کئے جائیں گے۔ دعا کریں کہ اللہ انجمن کو خوبی اسے آخری مرحلے تک پہنچائے آمین۔

اس سنہری موقع سے ہماری یہ خواہش ہے کہ آپ بھی اس میں ضرور شریک ہوں اور جس طرح ماضی میں ہمیں ہر طرح کا تعاون حاصل رہا ہے اس موقع سے بھی حاصل رہے۔ تفصیلی پروگرام ان شاء اللہ جلد ہی آپکی خدمت میں روانہ کر دیا جائیگا۔ جملہ احباب سے سلام عرض کریں۔

والسلام

ناظم اجلاس (رحمت اللہ اثری فلاحی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ مجلہ

حیاتِ نو

بلریاگنج

جلد: ۵ ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ ستمبر ۲۰۰۲ء شمارہ: ۹

بدل اشتراک	
سالانہ زرِ تعاون:	۵۰ روپے
طلبہ کیلئے:	۴۰ روپے
خصوصی زرِ تعاون:	۱۰۰ روپے
اعزازی زرِ تعاون:	۱۰۰۰ روپے
غیر ممالک سے زرِ تعاون:	۲۵ امریکی ڈالر
قیمت فی شمارہ:	۵ روپے

○ اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپکی مدتِ خریداری ختم ہو چکی ہے۔ لہٰذا چندہ جلد روانہ فرمائیں۔

مدیر مسئول

نور محمد فلاحی

مدیر

محمد اسمٰعیل فلاحی

معاون مدیر

عبد البر اثری فلاحی

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

ترسیلِ زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ مجلہ "حیاتِ نو" جامعۃ الفلاح بلریاگنج اعظم گڑھ یوپی ۲۷۶۴۰۴

کاتب: محمد اشفاق عالم فلاحی

الفلاح آفسیٹ پریس .... (فیض آباد)

نقوشِ حیاتِ نو

صفحہ

- **اداریہ**
  - جو کھٹکتے ہیں دلِ شیطاں میں کانٹے کی طرح — محمد اسمٰعیل فلاحی — ۳
- **بحث و نظر**
  - حقوقِ انسانی، اہمیت و ضرورت اور اسلام کے امتیازات — عبدالباری فلاحی — ۹
  - عیسائی مسلمان کے بھیس میں — محمد آصف دہلوی — ۲۸
  - جین مذہب — ڈاکٹر اختر الزماں — ۳۳
- **عظمت کے مینار**
  - مولانا ابواللیث اصلاحی ندویؒ شخصیت کے چند نمایاں پہلو — سلطان احمد اصلاحی — ۱۸
- **شعر و نغمہ**
  - غزل — ابوالمجاہد زاہد، اختر جلالپوری — ۳۸
- **تعارف و تبصرہ**
  - تہذیب — عبدالباری فلاحی — ۳۵
- **اخبارِ علمیہ** — ابن عالم فلاحی — ۳۹
  - اقلیتوں پر ہندو تہذیب مسلط کرنے کی کوشش، کارڈنیل جوہٹری ایک انوکھی ایجاد
- **جامعہ کے لیل و نہار** — محمد اسماعیل فلاحی — ۴۲
  - ڈاکٹر لقمان احمد صاحب کا توسیعی لکچر، ڈاکٹر عبدالحق انصاری صاحب کی آمد، شوریٰ انجمن و انتظامیہ جامعہ کا اجلاس، وفود انجمن،
- **رودادِ انجمن**
  - پروگرام اجلاس عام، پریس ریلیز — ۴۷
  - ہمدردانِ انجمن کے نام ایک خط،

اداریہ — محمد اسمٰعیل فلاحی

جو کھٹکتے ہیں دلِ شیطاں میں کانٹے کی طرح

(افغان جہاد کے حوالے سے)

چودہ سالہ جہاد میں افغان مجاہدین نے شجاعت و بہادری اور صبر و استقامت کی جو داستانیں رقم کی ہیں، دنیا کی تاریخ میں وہ اپنی مثال آپ اور اس حقیقت کا زندہ ثبوت ہیں کہ ؎

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی — یا بندۂ صحرائی یا مردِ کہستانی

دنیا نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ یہ کبھی کامیاب ہو سکیں گے۔ وہ کچھ دیوانے تھے جو جان کے بل پر وقت کی دو عظیم طاقتوں میں سے ایک سے ٹکرا گئے جب یہ دیکھا کہ انہیں غلامی کی زنجیریں پہنانے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ ایک طرف سپر پاور تھا جو انتہائی ترقی یافتہ اور جدید ترین ہتھیاروں سے لیس تھا دوسری جانب پرانی ساخت کی کچھ بندوقیں اور ٹوٹے پھوٹے اسلحے تھے۔ لیکن ایک طرف ایمان کی تا حدِ نگاہ بلندی تھی تو دوسری جانب الحاد و دہریت کی اتھاہ پستی۔ جدید ٹکنالوجی سے لیس الحاد کے ساتھ مادی وسائل سے محروم ایمان کے تصادم کو دنیا نے دیوانگی اور پاگل پن سمجھا۔ نہتے اور بے دست و پا سرفروشوں کی مدد کیلئے کوئی آگے نہ بڑھا۔ ایک مدت کے بعد امریکہ اپنے مفاد کے تحت اس وقت سامنے آیا جب ان جیالوں نے بے مثال قربانیوں سے یہ ثابت کر دیا کہ وہ مردِ میداں ہیں، تر نوالہ نہیں کہ انہیں چبایا یا نگلا جا سکے۔ وہ ظالم کی آنکھ نکالنے اور اس کی کلائی توڑنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور روس کیلئے گلے کی پھانس بن گئے ہیں۔ جنرل ضیاء اور ان کے رفقاء نے بھی مہینوں بعد اس جہاد میں زیادہ کردار ادا کرنا شروع کیا جسے فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ اس جہاد کے پہلے مرحلہ سے ہی جماعت اسلامی پاکستان ہر مرحلہ میں رفیق سفر رہی

بلکہ جہاد کے آغاز سے سالوں پہلے بدلتے ہوئے حالات کا اندازہ کر کے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم نے موجودہ امیر جماعت قاضی حسین احمد صاحب کو سالوں افغانستان میں رکھ کر جنگی حکمت عملی وضع کی اور اس کے مطابق جہاد کا آغاز ہوا۔ ایک روایت کے مطابق اس مہم میں سب سے پہلی گولی قاضی حسین احمد نے چلائی ________

گلبدین حکمت یار نے کہا، "جماعت اسلامی کا اس جہاد میں برابر کا حصہ ہے۔ جماعت نے شہداء پیش کئے۔ فکری لحاظ سے ہماری پشت پر کھڑی رہی۔ مالی تعاون کیا۔ ہم اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ جماعت اسلامی کی وجہ سے اتنا عرصہ پاکستان میں گزار سکے ہیں۔ لاکھوں کی تعداد میں مہاجرین و مجاہدین جو پاکستان میں رہ رہے ہیں۔ اس کا کریڈٹ جماعت کو جاتا ہے۔ ہمارا یہ خیال ہے کہ یہ ممکن نہ تھا کہ جماعت کے بغیر ایسی حالت میں جبکہ مخالف قوتیں وہاں موجود تھیں، ہم وہاں رہ سکتے۔" (ایشیا لاہور ۲۹ راگست ۱۹۹۲ء)

پھر سوچنے کی بات یہ بھی ہے کہ امریکہ یورپ والوں نے انکی مدد بھی کیا کی۔ ساری مدد کے باوجود وہ دشمن سے مادی دنیا میں بہت پیچھے تھے۔ عسکری لحاظ سے دشمن ان سے بہت فائق اور میلوں آگے تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انکے ایمان کی لاج رکھ لی اور دشمن بالکل ٹوٹ کر رہ گیا۔ ؏

مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی ... اور کافر ہے تو تلوار پہ کرتا ہے بھروسا

مغربی طاقتوں کو جب اندازہ ہو گیا کہ روس اب زیادہ دیر تک نہیں ٹک سکتا اور مجاہدین کو کوئی چیز اقتدار سے نہیں روک سکتی تو انہیں اپنے مفادات خطرے میں محسوس ہوئے۔ انہیں یہ اندیشہ ہوا کہ اگر یہ مضبوط اسلامی ملک بن گیا تو پھر ان کے دن گنے جا چکے ہیں۔ سازشوں کے تانے بانے تیار کئے جانے لگے۔ مسلکی، لسانی، علاقائی اور نسلی تعصبات کو ہوا دے کر مجاہدین کے اندر دراڑیں ڈالنے کی سعی مذموم کی گئی اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ ظاہر شاہ — جو ہمیشہ سے امریکہ کا آلۂ کار اور اسلام دشمنی میں پیش پیش رہا، اسے دوبارہ اقتدار میں واپس لانے کی کوشش اسی سلسلے

کی ایک کڑی تھی۔ جب اس میں کامیابی نہ ہو سکی تو اس بات کی بھرپور کوشش کی گئی کہ اقتدار ایسے شخص کے ہاتھ میں آئے جو مغرب کے مفادات کا تحفظ کر سکے اور سیاسی شعور کی کمی کی وجہ سے اسے آسانی سے استعمال کیا جا سکے۔ پروفیسر مجددی کو قیادی کونسل کے سامنے لانے کے بجائے تنہا بیعت کا بہانہ لانا اور کمیونسٹ ملیشیا کے حصار میں چھوڑ دینا انہی کوششوں کا نتیجہ تھا۔

ایک اور کھیل کھیلنے کی کوشش یہ ہوئی کہ اقوام متحدہ کے واسطے سے مجاہدین کو اقتدار منتقل کرنے کا ڈھونگ رچایا جائے تاکہ یہ احسان جتایا جا سکے کہ اقتدار مجاہدین خود حاصل نہ کر سکے، اقوام متحدہ کی کوششوں سے حاصل ہوا۔ پھر اس طرح مجاہدین پر دباؤ برقرار رہے۔ گلبدین حکمت یار اس سازش کو بھانپ گئے اور بڑھ کر کابل پر قبضہ کر لیا اور دنیا کو باور کرا دیا کہ اقتدار مجاہدین نے اپنی طاقت کے بل پر لیا ہے۔ اقوام متحدہ کی طرف سے وہ کوئی "تحفہ" نہیں ہے۔ دنیا کو اپنا قبضہ دکھانے کے بعد وہ پیچھے ہٹ گئے کہ آپس میں خون خرابہ نہ ہو اور معاہدہ پشاور کے مطابق اگلے مراحل طے ہوں۔

مجاہدین کو اقتدار منتقل ہوئے چار ماہ سے زیادہ کا عرصہ ہونے کو آیا ہے۔ اس دوران ان کی باہم کئی جنگیں ہو چکی ہیں۔ اس بار تو سینکڑوں افراد ہلاک اور ہزاروں زخمی ہو گئے۔ دشمن لڑانے کی سازش میں کامیاب نظر آتا ہے۔ اس وقت ایک طرف حزب اسلامی کے گلبدین حکمت یار ہیں، دوسری جانب افغانستان کے موجودہ صدر اور جمعیت اسلامی کے بزرگ رہنما پروفیسر برہان الدین ربانی ہیں۔ بڑی نازک، پیچیدہ اور تشویشناک صورت حال ہے۔ ہم ہزاروں میل دور ہیں لیکن نگاہیں افغانستان کے وادی و کہسار پر ہیں۔ یہ کس کا خون بہہ رہا ہے۔ کس کی لاش تڑپ رہی ہے، کون زخمی ہے، کس کے مکان سے دھواں اٹھ رہا ہے اور کون جل رہا ہے۔ آہ، افغانستان، دشمنوں کی سازشوں کا شکار، لہو روتا، آگ اگلتا، اپنے خون میں نہایا، "تن ہمہ داغ داغ" افغانستان! آہ مجاہدوں کی سرزمین سرزمین افغانستان! واقعی تیری طبیعت طفلانہ ہے بقول اقبال ؏

مجھ کو ڈر ہے کہ ہے طفلانہ طبیعت تیری ... اور عیار ہیں یورپ کے شکر پارہ فروش

ان جنگوں کا ذمہ دار گلبدین حکمت یار کو بتایا جا رہا ہے۔ مغربی ذرائع ابلاغ جیسے ہاتھ دھو کر

پیچھے پڑ گئے ہوں۔ گلبدین حکمت یار کا موقف یہ ہے کہ وہ کمیونسٹ گلم جم ملیشیا، جس نے چودہ سال تک مجاہدین کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کئے ہیں اور تا حال یہ سلسلہ جاری ہے اسے غیر مسلح کر کے حکومت سے الگ کیا جائے۔ اس وقت کابل پر عملاً ملیشیا ہی کی حکومت ہے۔ گلبدین حکمت یار کے اس موقف سے اصولی طور پر تقریباً تمام مجاہد رہنماؤں اور عالم اسلام کو اتفاق رہا ہے۔ اب کیا بات ہے کہ ملیشیا کا غیر مسلح ہونا تو دور، کابل کا کنٹرول، انہی کے ہاتھ میں ہے۔ احمد شاہ مسعود وزیر دفاع ہیں۔ حکمت یار اور ان کے مابین ملیشیا کے اخراج کا معاہدہ ہوا اور وہ عمل نہیں کرا سکے جس کا اس کے علاوہ اور کیا مطلب ہے کہ احمد شاہ مسعود اور ربانی بس ایک مہرہ ہیں، اصل اقتدار قاتل و ظالم کمیونسٹ ملیشیا کے ہاتھ میں ہے اور پیچھے سے ڈور امریکہ ہلا رہا ہے۔ ان حالات میں مسعود یا ربانی کا کوئی بیان، خدا جانے ان کا اپنا بیان ہو یا بیچاری زبان سے ملیشیا کا بیان۔

سوال یہ ہے کہ مجاہدین نے چودہ سال تک معرکہ جہاد کیوں گرم کئے رکھا اور پندرہ لاکھ افغان کس مقصد کیلئے شہید ہوئے، کیا اس لئے کہ روس کے نکلنے کے بعد مقامی کمیونسٹ بندگان خدا کی گردنوں پر دوبارہ مسلط ہو جائیں یا روس کے بجائے انکی گردنوں میں امریکہ کی غلامی کا قلادہ ہو یا اس لئے کہ اللہ کی زمین پر اللہ کی حکومت قائم ہو؟ ملیشیا کی اقتدار میں شرکت چودہ سالہ جہاد اور پندرہ لاکھ شہداء کے خون کے ساتھ مذاق نہیں تو اور کیا ہے؟ کابل میں موجود کمیونسٹ ملیشیا کیلئے آسان ہے کہ وہ غیر ملکی آقاؤں کے اشارہ پر مجاہدین کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کر کے خلیج کو اور وسیع کرے۔ اسلام دشمن طاقتوں کا آلۂ کار بن کر عملاً وہ ایسا کر رہی ہے وہ خود حزب اسلامی سے چھیڑ چھاڑ کرتی اور جنگ بھڑکاتی ہے مگر جب پڑتی ہے تو جنگ رکنے کیلئے واویلا مچاتی ہے۔ اس دفعہ تو اس نے اقوام متحدہ سے کابل میں فوج بھیجنے کا بھی مطالبہ کر ڈالا، جس پر برہان الدین ربانی اور پاکستان سمیت تمام اسلام پسند حیران ہیں۔ حکمت یار نے اسے ایک گہری سازش قرار دیتے ہوئے کہا کہ دراصل امریکہ سابق کمیونسٹ عناصر کی پشت پناہی کرتے ہوئے کابل میں دین پسند کی حکومت قائم کرنا چاہتا ہے۔ نیز انہوں نے اقوام متحدہ کو خبردار کیا کہ "وہ اپنی فوج ہرگز افغانستان نہ بھیجے، اگر اقوام متحدہ

نے غلط فیصلہ کرتے ہوئے اپنی قوت کو کابل میں آزمایا تو اس کا حشر بھی روس جیسا ہوگا۔"

یہ اپیل اور اس سے مدد طلب کرنا اشارہ ہے کہ ملیشیا کمزور پڑ رہی ہے اور حکمت یار بھاری پڑ رہے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ گلبدین حکمت یار کی حزب اسلامی افغانستان کی سب سے منظم اور مضبوط تنظیم ہے۔ بیشتر صوبوں میں انہی کا کنٹرول ہے۔ دوسرے مجاہد رہنما عبد رب الرسول سیاف، مولوی یونس خالص، محمد نبی وغیرہ اور مختلف علاقوں کے گورنر اس کے حامی ہیں۔ ملیشیا کے اخراج کے سلسلہ میں کوئی اختلاف نہیں۔ استاد عبدالصبور فرید کے مطابق

"گلم جم ملیشیا کے دستوں کے شہر سے اخراج اور انہیں غیر مسلم کرنے کا فیصلہ قائدین شوریٰ نے متفقہ طور پر کیا ہے اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔" (تکبیر ۲۰ اگست ۹۲ء)

امریکہ، اسرائیل، بی بی سی اور دوسرے اداروں کی طرف سے حکمت یار کی زبردست مخالفت خود اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس کی اسلام پسندی اور بے لچک رویے سے مرعوب اور خوفزدہ ہیں۔

اس وقت جو جنگ چھڑی تھی اس کے ذمہ دار ملیشیا کے وہ دستے تھے جو مسلسل حزب اسلامی کے دفتر پہ حملہ کرتے رہے۔ حکمت یار کا گھر اور دفتر سب تباہ کر ڈالا۔ حزب کو جواب دینے کیلئے مجبور ہونا پڑا۔ کابل کے شہری علاقوں پر ملیشیا خود گولہ باری اور حزب کو بدنام کرتی ہے۔ حزب کے نامزد وزیر اعظم استاد عبدالصبور فرید کے دفتر کے قریب بمباری اس بات کی غماز ہے کہ یہ حرکت ملیشیا کی ہے۔ حزب اپنے ہی وزیر اعظم کے دفتر پر گولے کیسے برسائے گی۔ حزب نے ابھی ان حملوں کا صرف جواب دیا ہے۔ کوئی بڑا حملہ نہیں شروع کیا۔ حزب کے ایک ذمہ دار نے بتایا کہ "ابھی حزب نے کابل پر عمومی حملہ کا آغاز نہیں کیا۔ ابھی تو صرف اس جگہ حملہ کیا جا رہا ہے جہاں سے حزب پر حملہ ہو رہا ہے"

کابل میں حتمی اور فیصلہ کن جنگ اب ناگزیر بنتی جا رہی ہے۔ دنیا جتنی سمجھے۔ اسلام دشمن دنیا کو کابل کی دس لاکھ آبادی کی تو نظر آتی ہے اور افغانستان کے دو کروڑ عوام نظر نہیں آتے جو ملیشیا کے جبر و استبداد اور وحشت و بربریت کا نشانہ بنتے آ رہے ہیں، پندرہ لاکھ شہیدوں کا لہو پکار رہا ہے اور لاکھوں یتیم بچے، بیوہ عورتیں اور بے سہارا والدین فریاد کر رہے

ہیں کہ اپنے شہداء کے خون کی لاج رکھی جائے اور افغانستان کو کمیونسٹوں کے چنگل سے نکالا جائے۔ اگرچہ کابل میں جنگ اور خونریزی انتہائی تکلیف دہ ہے، لیکن کبھی کبھی آپریشن کے علاوہ کوئی دوسرا چارۂ کار بھی باقی نہیں رہتا، اگر موجودہ صورتحال برقرار رہتی ہے تو اس کا مطلب ہوگا کہ چودہ سالہ جہاد لا حاصل اور پندرہ لاکھ خونِ شہیداں ضائع۔

حزب کے ایک ذمہ دار کا یہ بیان کہ "اب وقت قریب ہے کہ جب ہمیں وہ جنگ شروع کرنا پڑے گی جو ہم گزشتہ ۱۴ ماہ سے روکتے چلے آرہے ہیں اور یہ جنگ فیصلہ کن ہوگی" ہم اس فیصلہ کن جنگ کو ناگزیر آپریشن سمجھتے ہیں جو اگر بروقت نہیں کیا گیا تو بعد میں علاج ناممکن ہوگا۔ بے دین کمیونسٹ عناصر، خواہ وہ ملکی ہوں یا غیر ملکی، ہماری نگاہ میں سب یکساں ہیں۔ وہ ساحل پر پہنچ کر بھی ساحل بکنار نہ ہونا اس فرہاد کی سی محرومی ہے جو شیریں کیلئے زندگی بھر تیشے چلاتا رہا اور عین اس وقت جبکہ منزل اس کے سامنے تھی، اسکی ہمت جواب دے گئی اور وہ دم توڑ گیا۔

آج غیر مسلم دنیا اسلامی بلاک سے بہت خوفزدہ ہے۔ افغانستان میں خالص اسلامی حکومت قائم ہو جانے کے نتیجے میں روس کی مسلم جمہوریاؤں کو بھی سہارا ملے گا اور ایران، پاکستان، افغانستان اور وسط ایشیا کی مسلم جمہوریاؤں کا یہ مضبوط ناقابلِ تسخیر اسلامی بلاک فلسطین، بوسنیا، کشمیر، فلپائن، برما اور دوسرے خطے کے تمام مظلوموں کو انصاف دلا سکے گا۔ اسلام دشمن طاقتیں اس بلاک کو آسانی سے بننے نہیں دیں گی اور کوئی کھیل کھیلنے میں انہیں شرم نہیں آئے گی۔ یہ وہ طاقتیں ہیں جو جمہوریت کی باتیں کرتی ہیں اور جب الجزائر میں اسلام جمہوریت کے راستے سے آتا ہے تو فوجی طاقت کے بل پر اسے کچل ڈالنے میں انہیں شرم نہیں آتی۔ عراق کی غیر ملکی مداخلت قوتوں کو فوجی کارروائی کیلئے چیلنج کر دیتی ہے لیکن بوسنیا میں عیسائیوں کی مداخلت انہیں حرکت پر نہیں لاتی۔ حکمت یار ان طاقتوں کی نگاہ میں "ضدی" اور "بنیاد پرست" ہیں۔ ہمیں آج ایسے ہی بنیاد پرستوں کی ضرورت ہے۔ جو انکی سازشوں کے چکمے میں نہ آئیں اور انکی اسکیموں کو چلنے نہ دیں۔ حکمت یار اپنے بے لچک رویے اور بنیاد پرستی کی بنا پر انکے نزدیک قابلِ نفرت ہیں اور یہی صفت انہیں ہمارا محبوب بناتی ہے۔ انکا یہ موقف عین اسلامی موقف ہے۔

حکمت یار مردِ آہن! آگے بڑھو ہم تمہارے ساتھ ہیں۔

عبدالبر اثری فلاحی

حقوق انسانی، اہمیت و ضرورت اور اسلام کے امتیازات

حقوق انسانی کا مفہوم

حق اصل میں تو موجود و قائم کو کہتے ہیں لیکن استعمال کے لحاظ سے یہ مختلف معانی پر دلالت کرتا ہے۔ صاحب "قاموس القرآن" نے ۱۳ وجوہ سے استعمالات مع امثلہ تحریر کی ہیں۔ بعض نے ۱۶ وجوہ تک بیان فرمایا ہے۔ لیکن مولانا فراہیؒ نے اسے کافی مختصر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "کم از کم تین معنوں میں تو اس کا استعمال عام ہے

(۱) وہ بات جس کا واقع ہونا قطعی ہو
(۲) وہ بات جو عقل کے نزدیک مسلم ہو
(۳) وہ بات جو اخلاقاً فرض ہو

قرآن مجید نے اس لفظ کو ان تمام معانی میں استعمال کیا ہے۔ مثلاً

ان ذلک لحق تخاصم اھل النار (ص: ۶۴) بیشک اہل دوزخ کا یہ جھگڑا ضرور واقع ہوگا

ثم ردوا الی اللہ مولٰھم الحق (انعام: ۶۲) پھر وہ اپنے حقیقی مولیٰ کی طرف لوٹائے جائیں گے

وفی اموالھم حق للسائل والمحروم (ذاریات: ۱۹) اور انکے مالوں میں سائل و محروم کا حق ہے یعنی ایک واجب الادا فرض کی حیثیت سے" (تفسیر سورہ والعصر ص ۴۴-۴۵)

مذکورہ عنوان میں یہ اسی تیسرے مفہوم میں مراد ہے یعنی "حق" سے مراد "واجب" ہے یعنی جو چیز لازمی اور ضروری ہو۔ بعض اسے لفظ "الحظ" یعنی حصہ و نصیب سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

اس کے وسیع تر مفہوم کا احاطہ کرتے ہوئے مولانا سید سلیمان ندویؒ یوں رقمطراز ہیں

"انسان کو دنیا کی ہر اس چیز سے جس سے اس کے نفع کا تعلق ہے یک گونہ لگاؤ ہے اس لگاؤ کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی ترقی و حفاظت میں کوشش کی جائے اس شے سے وہ نفع اٹھایا جائے جس کیلئے خدا نے اس کو پیدا کیا ہے اور ان موقعوں پر اس کو صرف کیا جائے جن میں خدا نے اس کے صرف کرنے کا حکم دیا ہے اور اس کو ہر اس پہلو سے بچایا جائے جس سے اس کی نفع رسانی کو نقصان پہونچے اس ذمہ داری کا نام حق ہے جس کو از خود ادا کرنا ضروری ہے" (سیرۃ النبی ج ۶ ص [illegible])

یہاں یہ چیز بھی واضح کر رہے کہ یہ حقوق یک طرفہ نہیں ہیں بلکہ دو طرفہ ہیں ہر ایک پر دوسروں کے کچھ حقوق ہیں اور وہ اس کے حق دار اسی وقت ہوتے ہیں جب وہ خود دوسروں کے حقوق ادا کر رہے ہوں۔ حقوق کی یہ ادائیگی دونوں پر یکساں طور پر لازم ہے بلکہ فائدہ اٹھانے والے کے اعتبار سے تو یہ چیز حق کہلاتی ہے لیکن فائدہ پہنچانے والے کے اعتبار سے وہی چیز فرض بن جاتی ہے۔ مثلاً جب ہم یہ کہتے ہیں کہ بچے کا یہ حق ہے کہ اسے پالا پوسا جائے اور اسے عمدہ تعلیم تربیت دی جائے تو اس کا مطلب یہ بھی ہوتا ہے کہ والدین کا فرض ہے کہ وہ بچے کو پالیں پوسیں اور اسے عمدہ تعلیم و تربیت دیں ٹھیک اسی طرح جب ہم یہ کہتے ہیں کہ والدین کا یہ حق ہے کہ ان کی فرماں برداری اور خدمت کی جائے تو اس کا یہ بھی مطلب ہوتا ہے کہ بچوں پر یہ فرض ہے کہ وہ والدین کی فرماں برداری اور خدمت کریں

گویا حقوق و فرائض دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ اور ایک ہی امر کے دو رخ ہیں۔

ضرورت و اہمیت

اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان حقوق کی تعیین اور انکی ادائیگی کی ضرورت کیوں ہے؟ کیا اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا؟

جہاں تک میں نے غور کیا ہے کہ اس کی کچھ بنیادی وجہیں ہیں۔ پہلی بات ہر ایک جانتا ہے کہ "الانسان مدنی بالطبع" انسان فطرتاً اجتماعیت پسند ہے اول تو انسانوں سے فطری انس کی وجہ سے، دوسرے اپنی زندگی کو با حسن طریق گذارنے کیلئے سہاروں کا محتاج ہونے کی وجہ سے۔ ساتھ ہی یہ بھی ایک بڑی حقیقت ہے کہ انسان ظلوم و جہول ہے

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "انا عرضنا الامانۃ علی السمٰوٰت والارض والجبال فابین ان یحملنھا واشفقن منھا وحملھا الانسان انہ کان ظلوما جہولا" (الاحزاب: ۷۲)

ہم نے یہ "امانت" آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی تھی سو انہوں نے اس کی ذمہ داری سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اپنے ذمہ لے لیا وہ ظالم ہے جاہل ہے۔ (یعنی حد سے تجاوز کرنے والا اور نادان ہے) اسلئے برابر اس سے بے اعتدالیاں ہوتی رہتی ہیں اور اس کا اندیشہ لگا رہتا ہے۔ بطور خاص اس طرح کے مواقع پر جب کہ اسے اپنے لئے کچھ فائدے سمیٹنے ہوں اسی لئے شریعت نے اپنے مفاد کے حصول کیلئے یہ قید لگادی ہے کہ کوئی ایسا طریقہ نہ اختیار کیا جائے جس سے دوسروں کے حقوق متاثر ہوں۔ اور ساتھ ہی اس پر کچھ ذمہ داریاں بھی عائد کر دی ہیں تاکہ دوسروں کے مفادات کی بھی برابری ہو۔ چنانچہ بقول مودودیؒ "شریعت نے چوری، لوٹ مار، رشوت و خیانت، سود خواری اور جعل سازی کو حرام کیا ہے کیونکہ ان ذرائع سے انسان جو کچھ بھی فائدہ اٹھاتا ہے وہ دراصل دوسروں کے نقصان سے حاصل ہوتا ہے، جھوٹ، غیبت، چغلخوری اور بہتان تراشی کو حرام کیا ہے کیونکہ یہ سب افعال دوسروں کیلئے نقصان رساں ہیں، جوئے، سٹے اور لاٹری کو بھی حرام کیا ہے کیونکہ اسمیں ایک شخص کا فائدہ ہزاروں آدمیوں کے نقصان پر مبنی ہوتا ہے۔ دھوکے اور فریب کے لین دین اور ایسے تمام تجارتی معاہدات کو بھی حرام کیا ہے جن میں کسی ایک فریق کو نقصان پہنچنے کا امکان ہو، قتل اور فتنہ و فساد کو بھی حرام کیا ہے کیونکہ ایک شخص کو اپنے کسی فائدے یا اپنی کسی خواہش کی تسکین کیلئے دوسروں کی جان لینے یا ان کو تکلیف پہنچانے کا حق نہیں ہے۔" (رسالہ دینیات ص [illegible])

اسی طرح شریعت نے یہ بھی ضروری قرار دیا ہے کہ لوگوں میں باہمی تعلقات اس طرح قائم کئے جائیں کہ وہ سب ایک دوسرے کی بہتری میں مددگار ہوں اس غرض کیلئے بھی شریعت نے کچھ قوانین بنائے ہیں مثلاً صلہ رحمی، قانون وراثت وغیرہ۔

ان حقوق کی ادائیگی کے فائدوں کا تذکرہ کرتے ہوئے جناب صلاح الدین صاحب مدیر تکبیر لکھتے ہیں: "حق ادا کرنے والا اس دنیا میں بہترین سیرت و کردار کا حامل ہونے کی وجہ

سے عزت و احترام ضمیر کے سکون، قلب کی راحت اور پھر آخرت کی سرخ روئی سے ہمکنار ہوتا ہے اور حق وصول کرنے والا اپنا حق پاکر اطمینان و مسرت کی زندگی بسر کرتا ہے معاشرہ میں باہمی خلوص و محبت اور ایثار و ہمدردی کے مستحکم رشتے استوار ہوتے ہیں اور یوں پورا انسانی معاشرہ امن و سکون اور فلاح و سلامتی کا گہوارہ بن جاتا ہے۔

(بنیادی حقوق ص۱۷۶)

اسکی اہمیت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اللہ نے اس کا حکم دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ وینھیٰ عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون" (النحل: ۹۰) اللہ عدل اور احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور بدی و بے حیائی اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم سبق لو

اسی طرح احادیث کے اندر مذکور ہے "الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ" (سنن بیہقی) مخلوق اللہ کی عیال ہے بس، سے اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کے عیال سے حسن سلوک کرے

"احب للناس ما تحب لنفسک" (ترمذی ابواب الزھد)

لوگوں کیلئے وہی چیزیں پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو۔

اس کے اس پہلو کی اہمیت اس وقت اور دو چند ہو جاتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ انسانوں کے حقوق کو انجام کے اعتبار سے حقوق اللہ پر بھی فوقیت حاصل ہے۔ یعنی یہ کہ حقوق اللہ اگر نہ ادا ہوں تو اللہ چاہے تو معاف کر دے گا لیکن اگر حقوق انسانی نہ ادا ہوں تو اللہ تعالیٰ اس وقت تک معاف نہیں کرے گا جب تک کہ خود حق دار نہ معاف کر دے اسی طرح اگر حقوق اللہ کسی نے ادا کئے ہوں لیکن حقوق انسانی کو اگر اس نے پامال کیا ہو تو حقوق اللہ کی ادائیگی اسے ہرگز کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچائے گی بلکہ جہنم رسید کر دیا جائے گا جیسا کہ درج ذیل حدیث سے صاف واضح ہے۔

"حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہمارے یہاں تو مفلس وہ ہوتا ہے جس کے پاس نہ روپیہ پیسہ ہو نہ ساز و سامان، حضورؐ نے فرمایا کہ میری امت میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز اور روزے اور زکوٰۃ لے کر آئے گا مگر اس حالت میں آئے گا کہ کسی کو گالی دی ہوگی کسی پر تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال کھایا ہوگا اور کسی کا خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا ہوگا پھر وہ بیٹھے گا اور اس کی کچھ نیکیاں اس کے مظالم کے قصاص کے طور پر ایک (مظلوم) لے گا اور دوسرا (مظلوم) لے لے گا پھر اگر اس کی نیکیاں اسکی خطاؤں کا قصاص ادا کرنے سے پہلے ہی ختم ہو گئیں تو پھر اس کے مظلوموں کی خطائیں لے لی جائیں گی اور اس (ظالم) پر ڈال دی جائیں گی پھر اسے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ (ترمذی)

اب ایک سوال یہاں پر یہ ابھرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حقوق پر بندوں کے حقوق کو کیوں مقدم رکھا ہے اس کا جواب اپنی طرف سے دینے کے بجائے، جناب صلاح الدین صاحب مدیر تکبیر کا جواب نقل کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ وہ لکھتے ہیں۔

"اس کی وجہ یہ ہے کہ بندہ خدا کے حقوق ادا نہ کر کے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچاتا بلکہ خود اپنے نفس پر ظلم کرتا اور نقصان اٹھاتا ہے لیکن جب وہ کسی بندے کا حق ادا نہیں کرتا تو اس کے ایک مفاد INTEREST کو مجروح کرتا ہے اسے حقیقتاً نقصان پہنچاتا ہے اور یہی وہ ظلم ہے جو خدا کے نزدیک ناقابل معافی ہے الّا یہ کہ خود صاحب حق اسے معاف کر دینے پر رضامند ہو جائے"

(بنیادی حقوق ص۱۷۷)

اسلام کے امتیازات

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا تمام ہی مذاہب و نظریات میں حقوق انسانی کو یہی اہمیت حاصل ہے یا صرف اسلام میں؟ اگر ہر جگہ یکساں حیثیت حاصل ہے تو اس کے دلائل کیا ہیں اور اگر نہیں تو کن کن پہلوؤں سے فرق ہے اور کون ممتاز ہے؟ کیوں ممتاز ہے؟

میں اپنے اب تک کے مطالعے سے اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ تمام مذاہب و نظریات میں انسان کو نہ تو یکساں حقوق حاصل ہیں اور نہ ہی ان کے یہاں اس کی وہ اہمیت

ہے جو اسلام میں ہے بلکہ ان کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے اور ہر پہلو سے اسلام کے عطا کردہ حقوق انسانی ممتاز ہیں۔

عادلانہ | اسلام جو حقوق عطا کرتا ہے وہ سب عادلانہ ہیں جبکہ دوسروں کے یہاں ظالمانہ ہے۔ مثلاً ہندوں کے یہاں ایک جانور اور ایک انسان کا قتل برابر درجہ رکھتا ہے ایک جانور بھی اپنی کسی منفعت رسانی کے باعث انسان کی ماں کا درجہ پا سکتا ہے اور سب سے سنگین چیز یہ کہ اس نے تمام انسانوں کو چار طبقوں میں تقسیم کر رکھا ہے برہمن، چھتری، ویش، اور شودر اور برہمنوں نے تو اپنے لئے بے جا حقوق بھی مقرر کر رکھے ہیں لیکن شودروں کو جائز حقوق سے بھی محروم کر دیا ہے بودھوں کے یہاں تو انسان و حیوان کے حقوق میں تو کوئی فرق نہیں۔

اسی طرح یہود و نصاریٰ "نحن ابناء اللّٰہ واحباءہ" کے دعویدار ہیں اور ماں باپ کے حقوق کے علاوہ کسی اور کے حقوق کا انکے یہاں تذکرہ ہی نہیں ہے

رہے اہل مغرب تو یوں تو وہ پوری نوع انسانی کیلئے بنیادی حقوق کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن ان کا طرز عمل اس کے برعکس ہے۔ بقول جناب صلاح الدین صاحب مدیر تکبیر "انکا تصور حقوق ان کے نظریہ قومیت اور نسلی امتیاز پر مبنی ہے وہ اپنی قوم اور سفید فام نسل کیلئے جن بنیادی حقوق کی ضمانت چاہتے ہیں دوسری قوموں اور نسلوں کو انکا مستحق نہیں سمجھتے فرانس کے منشور انسانی حقوق کو جب ۱۷۹۱ء کے آئین میں شامل کیا گیا تو ساتھ ہی یہ صراحت بھی کر دی گئی "اگرچہ کالونیاں اور ایشیا، افریقہ اور امریکہ میں فرانسیسی مقبوضات سلطنت فرانس ہی کا ایک حصہ ہیں لیکن اس آئین کا اطلاق ان پر نہیں ہوگا"

اس سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ جس منشور کو "انسانی حقوق" کہا جا رہا ہے وہ دراصل فرانسیسی عوام کا منشور حقوق ہے کسی اور قوم کو بلکہ خود فرانسیسی مقبوضات میں رہنے والے غیر فرانسیسی عوام کو ان حقوق کے مطالبہ کا کوئی حق نہیں انکے ہی ہم وطنوں نے الجزائر اور ویت نام اور دوسرے مقبوضات میں ان حقوق کا مطالبہ کرنے والوں کیساتھ جس درندگی اور بربریت کا مظاہرہ کیا وہ عہد جدید کی تاریخ کا ایک سیاہ ترین باب ہے۔

یہی حال برطانیہ کا ہے اس کے غیر تحریری دستور میں برطانوی شہریوں کو جو حقوق حاصل ہیں وہ انگریز آقاؤں نے اپنی نوآبادیات میں خود اپنے وضع کردہ قوانین میں کبھی بحال نہیں ہونے دیئے۔ انکا میگنا کارٹا (ایک منشور جو ۱۲۱۵ء میں انگریزوں نے بادشاہ جان سے لیا تھا جس کی رو سے انگریز قوم کو شخصی اور سیاسی آزادی ملی تھی)۔ انکا قانون حبس بے جا اور ان کا قانون حقوق بس انہیں کیلئے تھے اس لئے انہیں بھی "انسانی حقوق کی دستاویز" قرار دینا سراسر مغالطہ آرائی ہے۔ ان دستاویزات کے ذریعے ملنے والے حقوق صرف برطانیہ کے شہریوں تک محدود تھے کسی اور قوم نے اگر خود برطانوی حکمرانوں سے ان حقوق کا مطالبہ کیا تو اسے باغی اور غدار قرار دے کر ظلم و بربریت کا نشانہ بنایا گیا۔ آج بھی جنوبی افریقہ میں سیاہ فام باشندوں اور شمالی آئرلینڈ میں محکوم سفید فام باشندوں کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے وہ انسانی حقوق کے بارے میں انگریزوں کے دوغلے پن کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

۳۰ نومبر ۱۹۷۳ء کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے جب نسلی امتیاز کو قابل تعزیر جرم بنانے کیلئے ایک قرارداد منظور کی تو اس کے چار مخالفین میں امریکہ، جنوبی افریقہ، اور پرتگال کیساتھ برطانیہ بھی شامل تھا۔" (بنیادی حقوق ص ۲۸-۲۹)

اسی طرح امریکہ میں سیاہ فام اور سفید فام کا جھگڑا کس بات کا غماز ہے۔ یا امریکہ سے باہر اس کی جانب سے ہیروشیما، ناگاساکی، کوریا، ویت نام، کمبوڈیا اور مشرق وسطیٰ کے چپے چپے پر "انسانی حقوق" کی پامالی کی روح فرسا داستانیں کس چیز کی مثالیں ہیں۔

۲۔ واجبی | اسلام جو حقوق عطا کرتا ہے وہ سب کے سب واجبی ہیں یعنی انکا ادا کرنا ہر مومن ہر ایک پر لازم ہے۔ ورنہ وہ دنیا میں بھی حدود و تعزیرات کا مستحق ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے یہاں بھی ماخوذ ہوگا۔ اس کے برعکس دوسروں کے یہاں یا تو مجبوراً لوگ مانتے ہیں، یا پھر اختیاری ہے جو چاہے مانے جو چاہے نہ مانے جو چاہے عمل کرے جو چاہے عمل نہ کرے۔ کسی پر اس کی پاسداری کرنا لازم نہیں ہے۔ چنانچہ حقوق انسانی کے سلسلے میں سب سے زیادہ اہمیت یو۔ این۔ او کے پاس کردہ "منشور حقوق انسانی" کو دی جاتی ہے۔ اس پر عمل درآمد کے سلسلے

ہیں انہیں کے ایک آدمی مینز کیلسن کا یہ تبصرہ ملاحظہ ہو" خالص قانونی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو منشور کی دفعات کسی بھی رکن ملک پر انہیں تسلیم کرنے اور منشور کے مسودہ یا اس کے ابتدائیہ میں صراحت کردہ انسانی حقوق اور آزادیوں کو تحفظ دینے کی پابندی عائد نہیں کرتیں۔ منشور کی زبان میں کسی ایسی تعبیر کی گنجائش نہیں جس سے یہ مفہوم نکلتا ہو کہ رکن ممالک اپنے شہریوں کو انسانی حقوق اور آزادیاں دینے کے قانونی طور پر پابند ہیں" (بحوالہ بنیادی حقوق ص۸۶)

۳۔ دائمی

اسلام جو حقوق انسانوں کو عطا کرتا ہے وہ دائمی ہیں قانونی طور پر ان میں کمی کی جا سکتی ہے نہ بیشی اور نہ ہی ترمیم و تنسیخ کی جا سکتی ہے۔ بلکہ وہ رہتی دنیا تک کیلئے اسلام کے نزدیک حقوق کی حیثیت سے مسلم ہیں۔ جبکہ اوروں کے یہاں آئے دن انہیں تبدیلی اور کمی بیشی ہوتی رہتی ہے کہیں تو حکمران طبقے کو ہنگامی حالات اور خصوصی حالات میں اسکا اختیار حاصل ہے جس کا کہ وہ ناجائز فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں اور کہیں خود عوام اپنی مرضی سے آج کچھ حقوق متعین کرتے ہیں اور کل کچھ اور اسے گھٹاتے بڑھاتے بھی رہتے ہیں۔

۴۔ آفاقی

اسلام جو حقوق عطا کرتا ہے وہ آفاقی ہیں نہ کسی نسل کیلئے خاص۔ نہ کسی ملک کے لئے خاص اور نہ کسی قوم کیلئے خاص بلکہ پوری دنیا کے انسانوں کیلئے ہیں جبکہ دوسرے مختلف حدود وقیود میں بٹے ہوئے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ پوری انسانیت کو ساتھ لے کر چلنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

۵۔ کامل

اسلام جو حقوق لوگوں کو عطا کرتا ہے وہ کامل ہیں۔ ایسا نہیں کہ اس میں کچھ لوگوں کے حقوق چھوٹ گئے ہوں یا کچھ لوگوں کے حقوق غصب کر لئے گئے ہیں۔ بلکہ رہتی دنیا تک انسان کو پوری زندگی میں جن جن پہلوؤں سے حقوق کی ضرورت ہو سکتی تھی وہ سب اسے عطا کئے گئے ہیں۔ جبکہ اوروں کے یہاں تمام حقوق کا تذکرہ تک نہیں ہے مثلاً عیسائیوں کے یہاں صرف ماں باپ کے حقوق کا تذکرہ ہے۔ قرابت داروں کے حقوق کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ یا اسی طرح

یو۔ این۔ او کے منشور میں برابر مختلف طبقات کے حقوق کی قرار دادیں پاس کر کے اضافہ کرنا خود اس کے نقص کی واضح دلیل ہے۔ مثلاً ۱۹۵۹ء میں بچوں کے حقوق سے متعلق اور ۱۹۶۳ء میں نسلی امتیازات کے انسداد کیلئے اعلان کرنا۔ جبکہ اس سے پہلے یہ امور اس کے منشور میں مذکور نہیں تھے۔

اسی طرح ہر ایک یہ جانتا ہے کہ ہندو مذہب میں بیوہ کا کوئی حق نہیں بلکہ اسے ستی ہو جانے پر مجبور کیا جاتا ہے۔

۶۔ حامل قوت نافذہ

اسلام لوگوں کو جو حقوق عطا کرتا ہے اس کی ادائیگی کیلئے قوت نافذہ بھی فراہم کرتا ہے سب سے بڑی قوت تو خوف خدا اور احساس جوابدہی ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ اسلام نے ریاست کی بھی یہ ذمہ داری قرار دی ہے کہ اگر لوگوں کو ان کے حقوق نہ مل رہے ہوں تو وہ انہیں ان کے حقوق دلائے۔ جیسا کہ ابو بکرؓ نے خلیفہ بننے کے بعد فرمایا تھا "تم میں جو قوی ہے وہ میرے نزدیک ضعیف ہے یہاں تک کہ میں اس سے حق وصول کر لوں اور جو ضعیف ہے وہ قوی ہے تا آنکہ میں اس کو اسکا حق نہ دلوا دوں" (ابن سعد ۳ ص۱۸۳)

اس کے برخلاف دوسروں کے پاس کوئی قوت نافذہ نہیں جس کی وجہ سے رہے سہے حقوق بھی بے معنی ہو کر رہ جاتے ہیں۔ کیونکہ جب وہ ادا ہی نہیں کئے جاتے تو پھر ایسے حقوق کا کیا فائدہ۔ چنانچہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اقوام متحدہ نے حقوق انسانی کی ایک طویل فہرست تیار کی ہے اور تقریباً تمام ہی ممالک اس کے ممبر ہیں لیکن اس کے باوجود پوری دنیا میں انسانوں کے حقوق بری طرح پامال ہو رہے ہیں مثلاً اسرائیل کے ہاتھوں عربوں کی پامالی لیکن چونکہ انکے پاس کوئی قوت نافذہ نہیں اس لئے وہ کچھ بھی مؤثر نہیں ہو سکتے۔ بلکہ اس کا تو خود انہیں اعتراف بھی ہے جیسا کہ کمیشن برائے انسانی حقوق نے ۱۹۴۷ء میں جب منشور کے نفاذ سے متعلق ایک رپورٹ منظور کی تو کہا کہ "کمیشن تسلیم کرتا ہے کہ انسانی حقوق سے متعلق شکایات کے معاملہ میں وہ کسی قسم کی کاروائی کا اختیار نہیں رکھتا" (بحوالہ بنیادی حقوق ص۸۲)

۷۔ قدیم

اسلام میں حقوق انسانی کا تصور اولین انسان کی پیدائش کے دن سے موجود ہے

بقیہ ص۲۷ پر

آخری قسط

مولانا ابواللیث اصلاحی ندویؒ

سلطان احمد اصلاحی

شخصیت کے چند نمایاں پہلو

تحریک و جماعت کیلئے آپ آپکی ان گوناگوں خدمات کے علاوہ مولانا ابواللیث اصلاحی ندویؒ کی شخصیت کا ایک پہلو ایسا ہے کہ اس پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے والا بھی اسے کسی طرح نظرانداز نہیں کرسکتا اور وہ ہے آزاد ہندوستان میں آپکی بے مثال ملی خدمات۔ مولانا ابواللیث اصلاحی ندویؒ اپنے سینے میں جو مضطرب دل رکھتے تھے اس کا تقاضا تھا کہ امت کے ایک فعال عنصر کی حیثیت سے تحریک اسلامی ہند کو احیاء دین کے الٰہی نصب العین پر رواں دواں کرنے کیساتھ امت کے بقیہ عناصر کو بھی کسی نہ کسی طرح اس نصب العین کی طرف مائل ورنہ کم از کم اس سے قریب سے قریب تر کردیں۔ آزادی کے بعد ہندوستان میں جمعیۃ العلماء ہند کے اکابر سے آپکا رابطہ مراسلت اور مختلف مواقع پر انہیں ساتھ لیکر چلنے کی کوشش آپکی اسی خواہش کا مظہر قرار دی جاسکتی ہے۔ مختلف اسباب و عوامل کے تحت اس کوشش میں اگرچہ بہت زیادہ کامیابی نہ ہوسکی تاہم اس کے ذریعہ بہت سی غلط فہمیاں دور ہوئیں اور امت کے مختلف الخیال افراد کو باہم مل بیٹھنے کے امکانات پیدا ہوئے۔ ساتھ ہی اس کوشش میں آپکی بھاری بھرکم شخصیت بھی پوری طرح ابھر کر سامنے آئی۔ اکابر دیوبند سے خط و کتابت کے مطبوعہ ریکارڈ میں کوئی بھی غیر جانبدار شخص مولانا ابواللیث اصلاحیؒ کی متانت و سنجیدگی اور آپکی بلند و بالا شخصیت کی جھلک آسانی کے ساتھ دیکھ سکتا ہے۔ آگے دینی تعلیمی کونسل کے ذریعہ آپ نے ہند میں امت مرحومہ کی شیرازہ بندی کی کوشش کی۔ چنانچہ اسکے ساتھ اشتراک و تعاون میں آپکی زیر قیادت چلنے والی تحریک اسلامی ہند نے بھرپور طریقے سے دلچسپی لی اور آج بھی اس طرح اسے جماعت کا سرگرم تعاون حاصل ہے۔ اس پلیٹ فارم کے

ذریعہ ملت کے ایک نسبتاً وسیع دائرہ سے رابطہ کی صورت پیدا ہوئی۔ اور ملت کے نونہالوں کیلئے ابتدائی دینی تعلیم کا انتظام کرکے آئندہ کیلئے ان سے دین و ملت کے بڑے کام لینے کی توقعات پیدا ہوگئیں۔

لیکن آزادی کے بعد ملت اسلامیہ ہند پر جو سخت دن آئے اور راورکیلا اور جبل پور وغیرہ کے فرقہ وارانہ فسادات کی صورت میں آئندہ کیلئے اس کی جو مزید بھیانک صورت نظر آئی اسکا تقاضا ہوا کہ اب چھوٹے چھوٹے فورمس سے آگے کل ہند سطح پر ملت کو ایک پلیٹ فارم پر لانا ضروری ہے۔ ۱۹۶۴ء میں کل ہند مسلم مجلس مشاورت کا قیام اسی سلسلے کی ایک ممتاز کوشش تھی۔ جس کی تحریک کرنے والوں میں مولانا ابواللیث اصلاحی ندویؒ کا نام سرفہرست اور آپ اس کے اولین مبادی ممبروں میں بلکہ اس کی روح رواں رہے۔ افسوس ہے کہ آگے ملت کے مختلف حلقوں کی تنگ دلی و تنگ نظری اور معروف گروہی عصبیتوں اور دھڑے بندیوں کے باعث مسلمانان ہند کا یہ نمائندہ فورم کچھ بہت زیادہ متحرک اور فعال نہ رہ سکا۔ تاہم اس کے ذریعہ ہند کی مسائل میں گھری مسلمان اقلیت کی اشک شوئی کا بہت کچھ سامان ہوا۔ یہاں تک کہ حکومت کی سطح سے بھی مختلف مواقع پر اس کا پورا وزن محسوس کیا گیا۔ ملت کا یہی کل ہند فورم ہے جس کی طرف نگاہیں آج بھی لگی ہوئی ہیں اور ہر نازک وقت پر بجا طور پر اس کا نام لیا جاتا اور اسے یاد کیا جاتا ہے۔ کاش کہ ملت اسلامیہ ہند اپنے محدود گروہی اور ملکی مفادات سے اوپر اٹھکر قرآن و سنت کو اپنے فکر و عمل کی اساس اور بے لاگ طریقے پر ان کی رہنمائی قبول کرکے اس فورم میں اپنا پورا وزن ڈال دے تو ہزار مشکلات اور مسائل کے باوجود اس ملک میں مسلمان امت کے دن بدل سکتے ہیں۔ آگے اسی سلسلے کی ایک نمایاں اور ممتاز کوشش آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا قیام ہے جسمیں مولانا ابواللیث اصلاحی ندویؒ کی زیر قیادت چلنے والی تحریک اسلامی ہند کا کردار کلیدی اہمیت کا حامل ہے۔ عروس البلاد بمبئی اس کے پہلے کھلے اجلاس کے موقع پر آزاد ہندوستان کی پوری تاریخ میں مسلمانوں کا جو عظیم الشان یادگار اجتماع منعقد کرنے میں کامیابی ہوئی اس میں بڑا دخل تحریک اسلامی کے بے لوث مخلص کارکنوں کا تھا۔ آج بھی ملت اسلامیہ ہند کے اس دوسرے نمائندہ اہم ترین فورم کو تحریک اسلامی ہند کا سرگرم تعاون حاصل ہے۔

اور جماعت کے دیگر اکابر کے ساتھ مولانا ابواللیث اصلاحی ندوی اس کے نائب صدور سے ایک ہیں۔

فرقہ وارانہ فسادات، آفات ارضی وسماوی اس کے علاوہ دیگر ہنگامی مواقع پر ملت کی چارہ جوئی اور اس کے زخموں کا مداوا، تحریک اسلامی ہند کی پالیسی پروگرام کا اہم ترین جزء ہے قائد تحریک کی حیثیت سے مولانا ابواللیث اصلاحی ندوی ان مواقع پر بھی ہمیشہ متحرک اور سرگرم عمل رہے۔ اس طرح کے واقعات کے بعد بروقت جائے واردات پر پہنچ، حالات کا جائزہ اور ریلیف اور بازآبادکاری وغیرہ کاموں کی نگرانی اور اس کی بحسن وخوبی انجام دہی۔ اس سلسلے میں بھی آپ کی خدمات انتہائی گراں مایہ اور ناقابل فراموش ہیں۔ احمد آباد کے سابق بھیانک فساد کے بعد وہاں کے اجڑے ہوئے لوگوں کی آبادکاری کیلئے تحریک اسلامی ہند کی کوششوں سے تعمیر کی جانے والی ملت نگراں کالونی "کا افتتاح انہی مولانا اصلاحی ندوی کے ہاتھوں انجام پایا تھا۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور اردو زبان وغیرہ کے مسائل میں بھی تحریک کے نمائندہ اول کی حیثیت سے آپ ہمیشہ سرگرم اور مصروف جدوجہد رہے۔ ملت کے مختلف ادارے اور انجمنوں کے ساتھ تعاون اور انکی میٹنگوں وغیرہ میں آپ کی شرکت وغیرہ بھی اسی سلسلے کی کڑیاں اور دین کے امت اور ملت کے ساتھ آپکی بڑھی ہوئی دلچسپی کی آئینہ دار ہیں۔

تحریک اسلامی ہند کے پالیسی وپروگرام کی ملی مسائل سے متعلق دفعات اور اس کے تقاضے سے ذمہ داران جماعت کی ملی مسائل میں دلچسپی وسرگرمی کو کچھ لوگ دین اور دعوت دین کے عمل سے غیر متعلق باور کرتے ہیں۔ لیکن غلط فہمی کے سوا اسکی دوسری بنیاد نہیں۔ ورنہ پالیسی وپروگرام کی دیگر دفعات کی طرح یہ دفعہ بھی اپنے ساتھ قرآن وسنت کی واضح سند رکھتی ہے۔ بلکہ یہ ہے کہ امت اور ملت کے بغیر دین اور دعوت دین کا کوئی تصور نہیں ہے۔ دعوت الی اللہ، شہادت علی الناس اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ذمہ داریاں پوری امت پر بطور فرض کفایہ واجب ہیں۔ فرض کفایہ کی نسبت سے یہ بات بالکل بجا ہے کہ اہل افراد ومجموعہ افراد کیلئے یہ چیز فرض عین بن جاتی ہے۔ لیکن دوسرے افراد سے اس کی ذمہ داری بہرحال بایں معنی ساقط نہیں ہوتی کہ ان

کاموں کے لئے کچھ افراد یا کوئی گروہ سامنے آگیا ہے دوسروں کو اب اس مسئلہ پر سوچنے اور اسکی طرف توجہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں ہے کہ اس کام کا حق اہل افراد ہی ادا کرتے لیکن انہیں اس پر لگانے اور اسکی مسلسل نگرانی اور دیکھ ریکھ کی ذمہ داری پوری امت کی ہے جس سے وہ قیامت تک کیلئے کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی ظاہر ہے ملت اور امت سے کٹ کر یہ خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ دعوت دین کے پہلو سے ہٹ کر ملت کے ہر فرد اور اس کی ہر چھوٹی بڑی اجتماعیت کو امت کے بقیہ حصہ سے جڑے رہنا بھی اسی طرح قرآن وسنت کا صاف اور صریح تقاضا ہے۔ قرآن تمام مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی قرار دیتا ہے۔ انما المؤمنون اخوۃ (حجرات) یہ بات علی الاطلاق پوری امت اور اس کے تمام افراد کی نسبت سے کہی گئی ہے۔ اس میں کسی مسلک، مکتب فکر سے وابستگی اس طرح کسی ادارے، تنظیم اور جماعت کی کوئی قید نہیں ہے۔ تو آپس میں بھائی بھائی ہونے کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ ہر بھائی اپنے آپ میں یا ان کی کوئی ٹولی اور جماعت صرف اپنے دائرے میں محصور اور مگن ہو اور اپنے دوسرے بھائیوں اور ان کے مسائل ومشکلات اور دکھ درد سے اسے کچھ سروکار نہ ہو۔ اسی ارشاد ربانی کی تشریح کرتے ہوئے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو اور پوری امت کو کسی تقسیم وتحدید کے بغیر ایک دوسرے کا بھائی قرار دینے کے ساتھ پوری مسلم اجتماعیت کو جسد واحد کے مانند قرار دیا ہے کہ اگر اس کے کسی حصے کو کوئی دکھ یا تکلیف پہنچتی ہے تو اس کے بقیہ تمام حصے اس کے لئے اسی طرح بے چین اور مضطرب ہو جاتے ہیں جس طرح کہ جسم کا ہر حصہ دوسرے حصے کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھتا ہے۔ اور ایک عضو کی تکلیف سے پورا جسم بخار اور بے خوابی کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ آپ نے صاف لفظوں میں فرمادیا کہ جو کوئی پوری مسلم جمعیت اور اس کے مسائل ومعاملات سے دلچسپی نہ رکھے اور صرف اپنے آپ میں یا کسی خاص دائرے میں خوش اور مگن رہے اس کا مسلمانوں سے کوئی تعلق نہیں[1]

ان دونوں ہی پہلوؤں سے ملت کے مسائل میں دلچسپی اور اس کے دکھ درد میں

---

[1] من لم یھتم بالمسلمین فلیس منھم (طبرانی بحوالہ الترغیب والترھیب للمنذری ۳۳۶ مطبوعہ فاروقیہ دہلی۔

شرکت ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے۔ تحریک اسلامی کی قیادت کو اپنی پالیسی و پروگرام کے ایک اہم جزو کی تکمیل میں اس مسئلے سے دلچسپی اسی نسبت سے تھی ہے تا قائد تحریک مولانا ابو اللیث اصلاحی ندوی کی ملی خدمات اور آپ کی ملی مسائل میں دلچسپی و سرگرمی کو بھی اسی پس منظر میں لیا جانا چاہیے۔ یوں بھی قائد تحریک تحریک کی پالیسی و پروگرام کا سب سے زیادہ وفادار ہوتا ہے۔ ملی مسائل میں دلچسپی جب اس پالیسی کا اہم جزو ہے تو دستور دنیا کی رو سے ابھی اس پر کسی قسم کی حرف زنی و خوردہ گیری کا سوال نہیں پیدا ہوتا ہے۔

شخصیت کا نمایاں ترین پہلو

مولانا ابو اللیث اصلاحی ندوی کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں سے کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ آخر میں پھر یاد دہانی کے لئے آپ کی تابندہ زندگی کے نمایاں ترین پہلو پر جس کی طرف اس سے پہلے اشارہ کیا گیا، ایک نظر پھر ڈالتے چلیں۔ یہ ہے کہ آپ کی بے نفسی، دنیا سے بے رغبتی اور تحریک و جماعت کے لئے آپ کا بے پناہ اور بے پایاں اخلاص و ایثار۔ تحریک اسلامی کی امارت کا دوبارہ چارج سنبھالنے کے بعد اپنی دوسری مختصر ملاقات میں ان سطور کے لکھنے والے نے جب آپ کو پیوند لگی شیروانی اور ایسے ہی جوتوں میں دیکھا تو اس پر ایک طرح کا سکتہ طاری ہو گیا۔ یہ ہیں مولانا ابو اللیث اصلاحی ندوی تحریک اسلامی ہند کے سربراہ اول، مسلمانان ہند کی واحد کل ہند سرگرم جماعت کے امیر جسے عالم اسلام میں ملت اسلامیہ ہند کا واحد حقیقی نمائندہ تصور کیا جاتا اور اندرون ملک اس تحریک سے انتساب آج لوگوں کیلئے باعث افتخار ہے۔ چوتھائی صدی عرصہ تک تحریک کی علمبرداری خدمت کے بعد زندگی کا یہ نقشہ! اسے دیکھ کر پتھر کا دل بھی پگھل جانا چاہیے۔ آپ نے اپنی یہ پوری زندگی اسی درویشانہ شان سے گزاری۔ اس پورے عرصہ میں آپ نے ہندوستان کے سے برصغیر میں ٹرین کے بالالتزام تھرڈ کلاس میں سفر کئے اور وہ بھی بسا اوقات اس طرح کہ قائد تحریک اسلامی ٹکٹ کی کھڑکی پر اپنا بولڈر خود اٹھائے ٹکٹ کے لئے لائن میں کھڑے ہیں۔ یہ بات اس زمانہ کی ہے جب کہ تحریک اسلامی اپنے ساتھ آزمائشیں ہی آزمائشیں رکھتی تھی۔ آسائش اور راحت کا اس کے ساتھ کوئی تصور نہ تھا۔ لیکن آج کے حالات میں جبکہ حصول کیلئے دین اور دعوت دین دوسرے بہت سے

کاموں کی طرح ایک نفع بخش کاروبار ہو چکا ہے۔ جس کے نتیجے میں اس سلسلے کی دوسری سہولیات کی طرح سفر بھی تفریح کا ایک دلچسپ سامان بن کر رہ گیا ہے، مولانا ابو اللیث اصلاحی ندوی کا یہ درویشانہ رنگ اسی طرح باقی ہے۔ دوسرے دور امارت ہی کی بات ہے۔ کہ تیسرے درجہ کے سفر میں جبکہ پلیٹ فارم پر آپ سے شرف نیاز حاصل کرنے والے مشتاق نگاہ بھیڑ کی شدت سے آپ کو بمشکل تلاش کر سکیں، اس درخواست پر کہ آپ کے لئے کسی بہتر مناسب جگہ کیلئے کوشش کی جائے، جواب ملا کہ نہیں یہی ٹھیک ہے۔ ابھی اسکی عادت ہے اور کوئی زحمت نہیں ہے۔ امارت سے سبکدوشی کے زمانہ میں بسا اوقات آپ نے سفر اس حال میں کیا کہ آپکے پاس بمشکل واپسی ٹکٹ کے پیسے تھے۔ یہ سفر ذاتی نہ تھے بلکہ ملی اور قومی ضرورت کے تحت تھے۔

تحریک اسلامی کا سب سے بڑا سرمایہ اخلاص ہے جس کی آج بڑی کمی محسوس ہونے لگی ہے۔ ہم میں سے ہر شخص کو صدق دل سے جائزہ لینا چاہئے کہ وہ تحریک کو کیا دے رہا ہے اور اس سے کتنا لے رہا ہے۔ اس پس منظر میں تحریک اسلامی کے دوسرے اکابر کی طرح مولانا ابو اللیث اصلاحی ندوی کی زندگی ہمارے لئے ایک منارۂ نور کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس نے تحریک کے لئے اپنے کو گھلا دیا اور اپنی تمام تر قوت کا اس کیلئے نچوڑ کر رکھ دی۔ لیکن اپنے کو ہمیشہ اس سطح پر رکھا جسے گزر اوقات کی سطح (SUBSTANCE LEVEL) سے بھی کم ہی کہا جا سکتا ہے۔ آپ کی زندگی کی بے مثال جدوجہد، مزاج کی بلندی، طبیعت کی سنجیدگی اور گہرائی، کشادہ ظرفی اور وسیع تعلیمی، دوربینی اور دوررس نگاہی وغیرہ دوسرے بہت سے اوصاف عالیہ کے ساتھ آپ کی بڑھی ہوئی بے نفسی، اخلاص اور جذبہ ایثار آپ کی شخصیت کا وہ تابندہ ترین پہلو ہے۔ جسے خاص طور سے وابستگان تحریک کو اپنے اندر سمونے اور اتارنے کی ضرورت ہے۔ تحریک اسلامی کاروبار نہیں۔ اس کا سرمایہ ہمیشہ سے ہی اخلاص اور بے نفسی رہا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی رحمت کے پردے میں ڈھانپ لے۔ اور اپنے درجے کے لئے آپ کی بے لوث خدمات کو شرف قبول سے نوازے۔ اور وابستگان تحریک

کو آپ کے اوصاف عالیہ کو پیش از پیش اپنانے کی توفیق عطا ہو جس سے تحریک کا مستقبل روشن اور آئندہ اسے کامیابیوں کی ضمانت نصیب ہو سکے۔

انتخابات کا مسئلہ

مولاناؒ کے دوسرے دورِ امارت کا دوسرا بڑا کارنامہ جماعت میں انتخابات کے مسئلہ سے عہدہ برآری ہے جس کے بغیر آپ کا یہ ذکر خیر تشنہ اور ناتمام رہے گا۔ تحریک اسلامی ہند میں انتخابات کا مسئلہ ۱۹۶۱ء سے گویا ہندوستان میں جماعت کی تشکیل جدید کے دس بارہ سال بعد ہی سے اختلافی چلا آرہا ہے۔ جماعت کی مرکزی مجلس شوریٰ کے ارکان کی ایک تعداد کسی نہ کسی انداز میں الیکشن میں حصہ لینے کے حق میں تھی تو دوسری تعداد اس کے ایسے ہی خلاف تھی جو اس مسئلہ پر کسی قسم کا سمجھوتہ کرنے کیلئے کسی طرح تیار نہ تھی۔ یہاں تک کہ بعض پہلوؤں سے مرکزی مجلس شوریٰ سے بھی جماعت کی سب سے زیادہ طاقتور باڈی مجلس نمائندگان میں بھی اس مسئلہ کو ایک سے زائد بار اٹھائے جانے کے باوجود اطمینان کی کوئی صورت پیدا نہ ہو سکی بہر حال اسے اتفاق ہی کہئے کہ ۱۹۸۵ء تک مرکزی مجلس شوریٰ کی ترتیب COMPOSITION کچھ اس طرح رہی کہ الیکشن کے حق میں کبھی فیصلہ نہ ہو سکا۔ لیکن ۱۹۸۵ء میں آزاد ہندوستان کی تحریک اسلامی کی تاریخ میں پہلی بار ایسا ہوا کہ مرکزی مجلس شوریٰ کی غالب اکثریت نے ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کے اہم مفادات کے تحفظ کے لئے ارکان جماعت پر سے ووٹ نہ دینے کی پابندی اٹھا لینے کے حق میں فیصلہ دیا۔

تقسیم ہند کے بعد کے فوری حالات کے پس منظر میں الیکشن کے مسئلہ پر امیر جماعت اسلامی ہند مولانا ابو اللیث اصلاحی ندویؒ کی رائے اس مسئلہ پر جماعت کے سابق روایتی موقف یعنی انتخابات میں کسی بھی پہلو سے حصہ نہ لینے کے حق میں تھی۔[1] بعد میں حالات کے اپنے تجربے اور اپنی دینی اور علمی بصیرت کی روشنی میں آپ کی رائے تبدیل ہو کر فی الجملہ انتخابات میں حصہ لینے کے حق میں ہو گئی ۱۹۸۵ء کی شوریٰ میں آپ نے اپنی اس نئی رائے کا قدرے تفصیل سے ذکر کیا، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ حالات کی تبدیلی سے دینی اور علمی مسائل میں رائے

---

[1] آپ کی رائے کی تفصیل "مسئلہ انتخابات اور مسلمانان ہند" نامی کتاب میں دیکھی جا سکتی ہے جو اب آؤٹ آف اسٹاک ہے۔

کی یہ تبدیلی امت کی تاریخ میں کوئی انوکھی بات نہیں۔ فقہ شافعیؒ میں حضرت امام شافعیؒ کا قول قدیم اور قول جدید اس کا ایک مستقل باب ہے۔ دوسرے تمام ائمہ اور اعلام امت کے یہاں بھی کسی نہ کسی درجہ میں یہ چیز موجود ہے۔ لیکن اتفاق ایسا رہا کہ ۱۹۸۵ء تک شوریٰ کی اکثریت کی رائے انتخابات میں کسی نوعیت سے شرکت کے خلاف ہی رہی۔ مولانا کا مزاج کبھی بھی اپنی کسی رائے کو منوانے کا نہیں رہا چنانچہ انہوں نے ۱۹۶۱ء کے بعد ۱۹۸۵ء تک اپنے پورے دورِ امارت میں اپنی رائے کے حق میں کبھی زور بند ھوانے کی کوشش نہیں کی ۱۹۶۱ء سے ۱۹۸۵ء تک چوبیس سال کا عرصہ بہت ہوتا ہے۔ اس مدت میں مرکزی مجلس شوریٰ اور نمائندگان کی مجالس میں اس مسئلہ میں موافقت اور مخالفت میں دلائل کا انبار لگ گیا۔ اور دونوں فریقوں نے کچھ وہ رخ اختیار کر لیا تھا کہ بعض مخلصین کی طبیعت میں اسکی وجہ سے کسی قدر بیزاری کا پیدا ہو جانا بھی مستبعد نہ تھا۔ ۱۹۸۵ء تک مویدین انتخاب ارکان شوریٰ اپنی رائے کے خلاف جماعت کے مسلسل فیصلوں کے باوجود تحریک کے ساتھ پوری یکسوئی اور اخلاص کے ساتھ جڑے رہے۔ یہاں تک کہ عام ارکان جماعت کو اس خصوص میں انکے کسی انقباض اور ناگواری کا شاید کبھی اندازہ بھی نہیں ہوا۔ لیکن ۱۹۸۵ء میں جب مویدین انتخاب کے حق میں جماعت کا فیصلہ ہوا تو مخالفین انتخاب کو صبر کا یارا نہ رہا اور گستاخی معاف ہو تو یہ عرض بھی کچھ ضروری ہی معلوم ہوتی ہے کہ تحریک کی بعض اہم اور ذمہ دار شخصیتوں کی طرف سے اس فیصلہ کی مخالفت میں اس طرز عمل کا مظاہرہ ہوا جسے بہر حال ذمہ دارانہ کسی صورت نہیں قرار دیا جا سکتا۔ مولانا ابو اللیث اصلاحی ندویؒ نے جماعت کی تاریخ کی اس نازک گھڑی میں اپنے بے مثال تدبر اور دور اندیشی کو کام میں لاتے ہوئے شوریٰ کی بالادستی کے اصول کو انتہائی مضبوطی کے ساتھ پکڑا۔ مرکزی مجلس شوریٰ کے غیر معمولی اجلاس پر اجلاس بلا کر اس کے معزز ارکان کو اس مسئلہ پر غور و فکر اور وابستگان کے ماله وما علیہ کے جائزے کا بھرپور موقع فراہم کیا۔ اور اپنے طویل تجربے کی روشنی میں وابستگان جماعت کی ایک تعداد کے منحرفانہ رویے کو بھانپتے ہوئے مسئلہ کو شوریٰ کے حوالہ کر کے اپنی زبان بندی کا نہ ٹلنے والا فیصلہ کیا۔ تحریک سے اپنی بے مثالی وفاداری اور بے پایاں اخلاص کا

ناقابل تردید ثبوت فراہم کرتے ہوئے اس مسئلہ کے پس منظر میں ذاتی حیثیت میں بعض وابستگان تحریک و جماعت کی طرف سے وہ صدمے برداشت کئے جن کا شاید اپنی پچھلی زندگی میں وہ کبھی تصور بھی نہ کر سکتے تھے۔ لیکن اپنی ذات پر یہ تمام تر صدمے برداشت کر کے انتخابات کے حد درجہ نازک اور حساس مسئلہ کے باوجود جو پاکستان میں تحریک اسلامی کی تاریخ کا ایک تلخ تجربہ بن چکا تھا آپ ہندوستان کی تحریک اسلامی کو تقسیم (SPLIT) سے بچا لے جانے میں کامیاب ہو گئے۔ اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ [illegible] کی شوریٰ کے موقع پر مولاناؒ نے اس مسئلہ پر اپنی نجی رائے کے سلسلے میں جو اظہار خیال کیا تھا اسے انہی لفظوں میں نقل کر دیا جائے اور اسی پر ان کے ذکر خیر کے اس اس مضمون کو ختم کیا جاتا ہے۔

"انتخابات کے مسئلہ میں متعدد وجوہ سے جماعت کی پالیسی پر نظر ثانی کرنے ضرورت ہے۔ اور میرا رجحان جواز کی طرف ہے بلکہ شدت سے اس بات کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے کہ جماعت کی اس ضمن میں پالیسی میں تبدیلی ہونی چاہئے۔ اس ضمن میں موجودہ جمہوری و دستوری ڈھانچہ پر روشنی ڈالتے ہوئے مولاناؒ نے فرمایا کہ اسلام اور مسلمانوں کے مفاد کیلئے مسلمانوں کا الیکشن میں حصہ لینا ناجائز نہیں ہے۔ ایسا ان کا رجحان ہے۔ نیز یہ مسئلہ منصوص نہیں ہے۔ بلکہ اجتہادی اور استنباطی نوعیت کا ہے۔ اسی لئے اس میں غلظت اور شدت کا رویہ نہیں ہونا چاہئے۔ مخالف رایوں پر بھی نظر رکھنا ضروری ہے۔ پھر ہندوستان کے مختلف مکاتب فکر کے علماء بھی حصہ لینے کے جواز کے قائل ہیں۔ خاص طور سے ایسے علماء جن کے تقویٰ اور خلوص پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے بھی ذہن سنجیدگی کے ساتھ ان حضرات کے دلائل پر غور کرنا چاہئے اور ضروری اہمیت دینا چاہئے۔ مولاناؒ نے مزید فرمایا کہ "الیکشن میں اسلام اور مسلمانوں کے مفاد کے لئے حصہ نہ لینا مصالح امت اور جماعتی مفاد کے بھی خلاف ہے۔ مسلمانوں کا جماعت سے رشتہ منقطع ہو جاتا ہے۔ پھر اگر الیکشن کی راہ اختیار نہیں کی جاتی ہے اور مسلمانوں کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ بھی الیکشن سے الگ رہیں تو اسلام اور مسلمانوں کے مفاد کو

شدید نقصان پہنچ سکتا ہے۔ پھر جماعت اپنی روش سے مسلمانوں کے دلوں میں ایسے طرز عمل کے بارے میں ایک ایسی کھٹک پیدا کر رہی ہے جس کی عند اللہ ہم پر ذمہ داری ہے۔ ان وجوہ سے اگرچہ میرے نزدیک الیکشن میں حصہ لینا مباح نہیں لیکن حالات موجودہ جو اضطراری ہیں ان کے پیش نظر الیکشن کی قباحتوں کے باوجود مسلمانوں کے حصہ لینے کو ناجائز اور غلط نہیں کہنا چاہئے پھر ملک میں جن جنگجو اور کمیونسٹ جماعتوں کے اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں جو عزائم ہیں ان کا تقاضا بھی یہ ہے کہ جواز کا فیصلہ کیا جائے۔"

ربع صدی قبل کا یہ اور آج کے حالات پر حرف بحرف صادق آنے والا آپ کی ذات ایمانی کے آئینہ دار بیان کا یہ متن اپنی شرح میں پوری ایک کتاب کا مواد رکھتا ہے کاش کہ اظہار خیال میں اس کے نمونے کی پیروی کے ساتھ علمی میدان میں بھی اگر اسی حزم و احتیاط کا لحاظ رکھا جا سکے تو تحریک اسلامی کے انتخابات کا مسئلہ نہ رہے اور دین کے ایک جزوی اور استنباطی مسئلہ میں افراط و تفریط اسلامی اجتماعیت کے مقدس شیرازہ کے بکھیرنے کے مہری اور حتمی گناہ کا کبھی پیش خیمہ نہ بن سکے۔

اللھم اغفرلہ وارحمہ رحمۃ واسعۃ وادخلہ الجنۃ واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ النبی الامین الی یوم الدین۔ آمین

بقیہ:- حقوق انسانی

کیونکہ ان کا تعین انسان کی تخلیق کے ساتھ ہی ہو گیا تھا البتہ انکی آخری اور مفصل وضاحت حضرت محمدؐ کی لائی ہوئی شریعت میں کی گئی ہے۔ اس کے برخلاف دوسروں کے یہاں اس قدر قدیم تصور نہیں ملتا۔ اور مغرب میں تو یہ تصور دو تین سو سال پہلے سامنے آیا اور وہ بھی حکمران اور رعایا کے درمیان باہمی نزاع اور کشمکش کے نتیجے میں وجود پذیر ہوا۔

ان امتیازات پر گہرائی و گیرائی سے نظر ڈالیں اور پھر بتائیں کہ ان امتیازات کے ہوتے ہوئے کیا اسلام کے علاوہ کوئی اور حقوق انسانی کی پاسداری کا حق رکھتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ تو پھر آئیے اسے اپنا کر خود بھی نجات پائیں اور باعزت زندگی گذاریں اور دوسروں کو بھی نجات دلا کر عزت و خوشحال کی زندگی سے ہمکنار کریں۔ اللہ ہمارا حامی و ناصر ہو۔

عیسائی مسلمان کے بھیس میں

محمد آصف دہلوی سہارنپوری

دورانِ سفر ایک صاحب سے میں نے دریافت کیا۔ کیا آپ نے سلمان رشدی کی لکھی ہوئی کتاب "شیطانی آیات" پڑھی ہے۔ اس میں کیا لکھا ہے جو اس قدر مخالفت ہے انہوں نے کہا پڑھی تو میں نے بھی نہیں مگر سنا یہ ہے کہ انہوں نے اس میں حضورؐ کی بہت توہین کی ہے اسی وجہ سے مسلمانوں کی طرف سے اس قدر احتجاج ہے۔ دورانِ گفتگو انہوں نے کہا کہ مجھے ایک پرانا قصہ یاد آگیا۔ میرے ایک دوست جو علی گڑھ میں نواب چھتاری کے یہاں کسی اونچی ملازمت پر تعینات تھے اور نواب صاحب ان سے کافی بے تکلف تھے۔ انہوں نے یہ سنایا کہ نواب صاحب ہندوستان کی تقسیم سے پہلے انگریزوں کے بڑے ہی خیر خواہ تھے وہ مسلم لیگ اور کانگریس پارٹی سے بالکل لاتعلق تھے۔ اور سیاست میں انگریزوں کے ہر طرح مددگار تھے اسی لئے انگریزی حکومت نے ان کو یوپی کا گورنر بنا دیا تھا۔ مشورہ کیلئے انگریزی حکومت نے سب صوبوں کے گورنروں کو انگلستان بلایا تو نواب صاحب بھی بحیثیت گورنر انگلستان گئے تو علی گڑھ کا ہر کلکٹر جو آتا تھا ان سے برابر ملتا رہتا تھا اور کبھی کبھی آگرہ کا کمشنر بھی۔ ان سب افسروں کے نواب صاحب سے عمدہ تعلقات تھے جب نواب صاحب لندن پہنچے تو جو کلکٹر اور کمشنر ان کے پرانے ملاقاتی تھے اور ریٹائر ہو گئے تھے اور انگلستان میں تھے جب انکو نواب صاحب کی آمد کی اطلاع ملی تو وہ ملنے آئے ان میں ایک کلکٹر جو نواب صاحب سے بہت مانوس تھا اس نے کہا کہ نواب صاحب آپ یہاں تشریف لائے ہیں تو آئیے میں آپ کو یہاں کے عجائب خانے دکھاؤں جن میں ہزاروں برس پرانی ایسی ایسی چیزیں ہیں جو آپ نے کبھی دیکھی نہ ہوں گی۔ نواب صاحب نے کہا کہ عجائب خانے تو میں نے سب دیکھ لئے حکومت نے دکھا دیئے اور یہاں جو بھی آتا ہے یہ دیکھ کر جاتا ہے اگر تم کچھ دکھانا چاہتے ہو تو ایسی چیز دکھاؤ جو یہاں سے اور کوئی دیکھ کر نہ گیا ہو۔ نواب لوگ تھے اونچا ہی خیال تھا۔ اس نے کہا "نواب صاحب ایسی کون سی چیز ہو سکتی ہے جسے اور کوئی دیکھ کر نہ گیا ہو۔ میں سوچ کر پھر بتاؤں گا تو نواب

صاحب کے پاس دو روز بعد وہ آیا اور اس نے کہا کہ نواب صاحب ایک چیز میں نے تلاش کر لی۔ اب میں آپ کو ایسی چیز دکھاؤں گا جو اور کوئی یہاں سے دیکھ کر نہیں گیا۔ اس پر نواب صاحب خوش ہو گئے اور کہا کہ بس ٹھیک ہے۔ اس نے نواب صاحب سے پاسپورٹ مانگا اور کہا کہ اس جگہ کو دیکھنے کے لئے حکومت سے تحریری اجازت لینی ہوتی ہے اسلئے پاسپورٹ کی ضرورت ہوگی۔ وہ ایک روز بعد نواب صاحب کا اور اپنا تحریری اجازت نامہ لے کر آیا اور کہا کہ کل صبح آپ میرے ساتھ میری موٹر سے چلیں گے۔ سرکاری موٹر نہیں لے جائیں گے نواب صاحب اس پر راضی ہو گئے۔ اگلے روز نواب صاحب اس کے ساتھ روانہ ہوئے شہر سے باہر نکل کر ایک طرف جنگل شروع ہو گیا۔ اس میں ایک معمولی سی سڑک تھی اس پر روانہ ہو گئے جوں جوں چلتے گئے جنگل گھنا ہوتا گیا راستہ میں نہ کوئی پیدل چلتا ہوا اور نہ کسی قسم کی سواری پر نظر پڑی کسی قسم کی کوئی آمد و رفت کا سلسلہ نہیں تھا۔ جب چلتے چلتے کوئی آدھ گھنٹے کے قریب ہو گیا تو نواب صاحب نے دریافت کیا کہ کیا دکھلانے کے لئے جا رہے ہو کوئی جنگلی جانور ہے۔ یا کوئی تالاب ہے جس میں خاص قسم کے جانور ہیں اس طرف نہ آبادی ہے نہ آمد و رفت۔ ابھی کتنا اور چلنا ہے۔ اس نے کہا کہ نواب صاحب بس تھوڑی دور اور چلنا ہے (جنگلی جانور یا تالاب وغیرہ نہیں دکھانا) تھوڑی دیر بعد ایک بڑا دروازہ آیا جو ایک بڑی عمارت کی صورت میں تھا۔ اس میں آگے اور پیچھے دروازے تھے دونوں طرف فوجی پہرہ تھا۔ کلکٹر نے موٹر سے اتر کر پاسپورٹ اور تحریری اجازت نامہ دکھایا۔ اس نے دونوں رکھ لئے اور اندر آنے کی اجازت دیدی مگر یہ کہا کہ آپ اپنی موٹر یہیں چھوڑ دیجئے اور اندر جو موٹریں کھڑی ہیں ان میں سے کوئی لے لیجئے۔ نواب صاحب نے دروازے کے باہر دیکھا کہ دروازہ کسی عمارت کا نہیں تھا بلکہ خالی ایک دروازہ تھا اور اس کے دونوں طرف بجائے دیوار کے بہت گھنی جھاڑیاں اور کانٹوں دار درخت تھے جو دیواروں کی مانند لگتے تھے۔ جس میں کسی کا گزرنا ناممکن تھا اندر موٹر سے چلتے رہے مگر سوائے جنگل اور دوسرے جنگلی درختوں کی دیوار کے اور کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ نواب صاحب نے گھبرا کر پوچھا کب وہاں پہنچیں گے اس نے کہا بس اب آگے دیکھئے وہ عمارت جو نظر آ رہی ہے وہاں جانا ہے۔ مگر اس نے نواب صاحب سے خاص طور سے یہ کہا،

دیکھئے اس عمارت میں جب داخل ہونگے تو آپ سب چیز دیکھئے مگر آپ کسی قسم کا کوئی سوال کسی سے نہیں کریں گے۔ بالکل خاموش رہنا ہے آپ کو جو کچھ دریافت کرنا ہوگا وہ مجھ سے پوچھئیے اول تو میں خود ہی بتاتا جاؤنگا۔ نواب صاحب نے کہا اچھا ٹھیک ہے۔ عمارت سے تھوڑے فاصلے پر موٹر چھوڑ دی اور پیدل عمارت کی طرف بڑھے۔ ایک اچھی بڑی سی عمارت تھی اس میں شروع میں دالان تھا، اس کے پیچھے متعدد کمرے تھے۔ جب دالان میں داخل ہوئے تو اسی وقت اتفاق سے ایک نوجوان داڑھی مونچھوں والا عربی کپڑے پہنے ہوئے اسی طرح سر پر رومال ڈالے ہوئے ایک کمرہ سے نکلا۔ ایک دوسرے کمرہ سے دو ایک نوجوان اور نکلے۔ ان لوگوں نے پہلے کمرہ سے نکلنے والے لڑکے سے کہا۔ السلام علیکم دوسرے نے جواب وعلیکم السلام۔ کیا حال ہے نواب صاحب حیران ہوگئے۔ جب ان کے قریب سے لڑکے گزرے تو کچھ دریافت کرنا چاہتے تھے مگر کلکٹر نے فوراً اشارہ سے منع کردیا۔ پھر کلکٹر نے اس کے بعد ایک کمرہ کے دروازہ پر جاکر کھڑا کیا دیکھا کہ اندر فرش بچھا ہے اور اس پر عربی لباس میں متعدد طلباء بیٹھے ہیں اور ان کے سامنے ان کے استاد بالکل اسی طرح جیسے اسلامی مدرسوں میں استاد پڑھاتے ہیں۔ بیٹھے سبق پڑھا رہے ہیں۔ طلباء عربی میں اور کبھی انگریزی میں استاد سے سوال کرتے تھے۔ کلکٹر نے نواب صاحب کو سب کمرے دکھلائے اور ہر کمرہ میں جو تعلیم ہو رہی تھی وہ بھی بتائی نواب صاحب نے دیکھا کہ کہیں کلام مجید پڑھایا جا رہا ہے کہیں قرأت سکھائی جا رہی ہے کہیں معنی اور تفسیر سکھائی جا رہی ہے، کہیں احادیث پڑھائی جا رہی ہیں کسی جگہ بخاری شریف کا سبق ہو رہا ہے اور کہیں مسلم شریف کا، کہیں مسئلے مسائل سکھائے جا رہے ہیں اور کہیں اصطلاحات اور ان کی وضاحت اور کہیں مناظرہ ہو رہا ہے۔ یہ سب دیکھ کر نواب صاحب بہت حیران ہوگئے۔ نواب صاحب کا جی چاہتا تھا کہ ایک آدھ طلباء سے کمرہ سے نکلتے وقت کوئی سوال کریں مگر کلکٹر اشارہ سے ان کو روک دیتا تھا۔ یہ سب دیکھ کر جب واپس ہوئے تو نواب صاحب نے کہا کہ اتنا بڑا دینی مدرسہ جس میں اس قدر عمدہ تعلیم اسلام کے ہر پہلو کی اور باریک سے باریک باتیں سکھائی جا رہی ہیں۔ ان مسلمان طلباء کو اس طرح کیوں علیحدہ بند رکھا ہے اور کیوں چھپا رکھا ہے۔ کلکٹر نے کہا کہ ان میں کوئی مسلمان نہیں یہ سب عیسائی ہیں

نواب صاحب کو مزید حیرت ہوئی اور ان کی وجہ دریافت کی تو کلکٹر نے کہا کہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد مسلمان ممالک میں خصوصاً مشرق وسطی بھیج دیئے جاتے ہیں وہاں کسی بڑے شہر میں کسی بڑی مسجد میں جاکر کسی وقت کی نماز میں شریک ہوتے ہیں اور نمازیوں سے کہتے ہیں کہ وہ انگریز ہیں جنہوں نے مصر میں ازہر یونیورسٹی میں تعلیم پائی اور مکمل عالم ہیں نہ انگلستان میں اسلامی ادارے ہیں جہاں وہ تعلیم دے سکیں اور نہ مسجدیں ہیں اس لئے جلاوطنی اختیار کی ہے وہ سردست تنخواہ نہیں چاہتے بلکہ کھانا اور سر چھپنے کا ٹھکانہ اور پہننے کے کپڑے۔ وہ مسجد میں مؤذن یا پیش امام کی حیثیت سے یا بچوں کو کلام مجید کی تعلیم دینے والے کی حیثیت سے تیار ہیں بلکہ اگر کوئی بڑا تعلیمی ادارہ ہو تو اس میں ایک استاد کی حیثیت سے کام کرنے کیلئے تیار ہیں جہاں ان میں سے کسی کو مسجد میں رکھ لیا جاتا ہے تو مقامی لوگ بطور امتحان ان سے مسئلہ مسائل بھی معلوم کرتے ہیں تو وہ کافی اور شافی جواب دیتے ہیں کچھ عرصہ بعد جب کوئی اختلافی مسئلہ آگیا ہے تو ان کے معتقدین ہو جاتے ہیں اور ان کو اختلافی مسئلہ پر تیار کرکے دو پارٹیاں بنا لیتے ہیں اور بعد میں بتدریج دو پارٹیاں بنا کر خوب اختلاف پیدا کردیتے ہیں اور مسلمانوں کو اس طرح آپس میں لڑواتے ہیں۔ تو اس انگلستان کے ادارہ کا اصلی مقصد یہ ہے۔ اولاً آپس میں مسلمانوں کو لڑاؤ۔ چنانچہ مشرق وسطی میں گرجاؤں کے پادریوں کے سالانہ جلسہ میں پادری نے بحیثیت صدر اپنی ایک سالانہ تقریر میں یہ کہا کہ مسلمانوں سے ہم مناظرہ میں نہیں جیت سکتے اس لئے ہم نے یہ طریقہ بند کردیا اور ہم نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ مسلمانوں کو آپس میں لڑاؤ چنانچہ اس میں ہم کامیاب ہیں لہٰذا ہم کو اس پر عمل پیرا رہنا چاہئے دوئم اس مدرسہ کا مقصد یہ ہے کہ حضور ﷺ کا جس صورت سے بھی درجہ ہو سکے گھٹاؤ تاکہ مسلمانوں کے دلوں سے جو ان کی عزت اور محبت ہے وہ کم ہو جائے اور اسکے لئے مسلمانوں پر قابو نہیں پا سکتے مسلمانوں کے محض اختلاف سے اسلام ختم نہیں ہو سکتا چنانچہ اس کے تحت شردھانند کے تاجر سے ایک کتاب ہندوستان کے ٹکڑے ہونے سے قبل انگریزی حکومت کے زمانہ میں رنگیلا رسول لکھائی گئی ہے اس کے بعد غلام احمد قادیانی کو نبی بنایا ان سے جو کتابیں مذہب کے متعلق لکھائی گئیں وہ اندرون خانہ اپنے ادارہ کی کارروائی کا نتیجہ تھی ورنہ غلام احمد کی بذات خود کیا قابلیت

تھی اسی طرح امریکہ میں ارشاد خلیفہ نے بھی اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی بتایا اور اعلان کیا کہ عدد ۱۹ کے کمپیوٹر کے ذریعہ کلام مجید کو اصلی اللہ کا کلام ثابت کیا جب لوگ اسکے معتقد ہو گئے تو اس میں چند آیتیں تحریف شدہ بتادیں۔ اور کہا کہ میرا ارشاد اور میرا نام خلیفہ کلام مجید میں موجود ہے اور اپنے آپ کو نبی ہونے کا اعلان کر دیا۔ اور جن لوگوں کو اس میں شبہ ہوا ان کے لیے مناظرہ کا دن اور تاریخ مقرر کر دی اس نے جب چند آیتیں کلام مجید کی تحریف کا اعلان کیا تو پھر لوگوں نے کمپیوٹر کے ذریعہ اس کے بنائے ہوئے کمپیوٹر کے نقشے کی جانچ کی جو غلط ثابت ہوا۔ مناظرہ کے لیے لوگ تیار تھے مگر مقررہ وقت مناظرہ سے پہلے غلام احمد قادیانی کی طرح بہت بری طرح موت نے آدبوچا۔

سلمان رشدی کی کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی معلوم ہوتی ہے کتاب چاہے سلمان رشدی نے ہی لکھی ہو مگر مصالحہ غالباً اسی ادارہ کا معلوم ہوتا ہے۔ ان کی اصلیت بھی اسی بات سے ثابت ہوتی ہے انگریزی حکومت نے بھی اس کی جان کی حفاظت کے لئے مستقل دو پولیس کے آدمی ہر وقت ڈیوٹی پر رکھے ہیں اس کے علاوہ اور سب قسم کے انتظام ہیں اور ان کی حفاظت میں لاکھوں روپیہ خرچ ہو رہا ہے جب کہ انگلستان میں اور رہنے والوں کو بھی موت کی دھمکی دی جاتی ہے اور وہ حفاظت کیلئے حکومت سے درخواست کرتے ہیں مگر ان کی حفاظت کیلئے اس کا عشر عشیر بھی نہیں کیا جاتا حال ہی میں چند مالدار انگلستانی سکھ باشندے ہندوستانی سکھوں کے خالصتان بنانے کے خلاف تھے اور ہندوستانی حکومت کے طرف دار تھے۔ ہندوستانی خالصتان بنانے والے سکھوں نے ان کو موت کی دھمکی دی تو انہوں نے حکومت سے مدد چاہی مگر حکومت نے کوئی خاص انتظام نہیں کیا اور سکھ مارے گئے۔ سلمان رشدی کے ساتھ کیا خصوصیت ہے کہ حکومت اس قدر سخت حفاظتی انتظام کر رہی ہے بلکہ سیاسی طور پر ایران پر زور ڈال رہی ہے کہ امام خمینی صاحب کا فتویٰ اٹھا لیا جائے۔ چنانچہ مسلمان تیار ہو جائیں کہ جو انگریز مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے اور روزانہ معمولی سیاسی کاموں میں بھی مسلمانوں کی مدد کرے اسکو اپنا قائد یا لیڈر نہ بنائیں۔

• • •

ڈاکٹر اختر الزماں

جین مذہب

ہندوستان کے بطن سے مختلف مذاہب نے جنم لیا اور کئی ادیان نے اسکی آغوش میں پرورش پائی۔ رنگارنگ تمدن اور تہذیب اسی ارض پاک کی مٹی میں نشو و نما پاتی رہی۔ ان میں سے بعض تہذیبوں نے اپنی تجلی سے اقوام عالم کے دلوں کو منور کر دیا جس کے نقوش اب بھی نظر آتے ہیں۔

آریہ قوم یلغار کرتی ہوئی اس ملک میں داخل ہوئی اور برسر اقتدار دراوڑ قوم کو شکست دے کر تخت و تاج کی مالک بن گئی۔ اس قوم نے ویدک دھرم، سنسکرت زبان اور اپنی مخصوص تہذیب سے بہت جلد سارے ملک کو اپنے زیر نگین کر لیا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس تہذیب نے کچھ ایسے فلسفے بھی تراشے جس سے عوام کا عرصۂ حیات تنگ ہونے لگا خصوصاً نچلے طبقہ کے حقوق پامال ہوئے، عورتوں کا استحصال روز بروز بڑھتا گیا اور چھوٹی ذات والوں کو غلام بنا کر جانوروں سے بدتر زندگی گزارنے پر مجبور کیا گیا لہٰذا اس ظلم و تشدد سے عوام میں ایک طرح کی بے چینی، اور ذہنی و روحانی کرب پیدا ہونے لگا اور بالآخر اس کا رد عمل جین مت اور بدھ دھرم کی شکل میں نمودار ہوا۔

"جین" سنسکرت زبان کا لفظ ہے جو جینا[1] سے مشتق ہے، اس کے معنی فتح کرنے والا ہے۔ چنانچہ جین مذہب کو فاتحوں کا مذہب کہا گیا۔ چھٹی صدی قبل مسیح میں پارشوناتھ نے اس مذہب کی بنیاد رکھی جو بنارس کے راجا اشوسین کے بیٹے تھے۔ انہوں نے بنی نوع انسان کی روحانی آسودگی کے لئے یہ چار ہدایتیں کیں۔

۱۔ کسی کو گزند نہ پہونچاؤ۔ ۲۔ جھوٹ مت بولو، ۳۔ چوری مت کرو ۴۔ کسی چیز کے مالک مت بنو۔

---

1 RELIGIONS AND COMMUNITIES OF INDIA, BY P.N.CHOPRA, P-155, 1981 DELHI

2 ALL ABOUT HINDUISM, BY SAWAMI SIVANANDA, P. 189, 1977 TEHRI GARHWAL.

عبدالبر اثری فلاحی

تعارف وتبصرہ

نام — مجلہ تہذیب (رسالانہ میگزین) بزبان اردو، عربی، انگریزی
زیر نگرانی — مولانا عبدالحکیم صاحب فیضی، مولانا اشفاق احمد صاحب مدنی
مدیر — صفی اللہ نائب شکیل احمد معاون محمد عمر۔
ضخامت — ۳۰۰ صفحات سال اشاعت ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء جلد نمبر ۶
منجانب — انجمن تہذیب البیان جامعہ عالیہ عربیہ مئو۔ یوپی۔

عصر حاضر میں ذرائع ابلاغ کی جو اہمیت ہے وہ کسی سے مخفی نہیں کیونکہ ذہنوں کی تبدیلی میں ذرائع ابلاغ اس وقت جو کردار ادا کر رہے ہیں وہ مقام کسی اور چیز کو نہیں حاصل لہذا اس سے صرف نظر کی اب کسی کیلئے گنجائش نہیں رہ گئی ہے۔ لیکن افسوس کہ اب بھی بہت سے مدارس اس سے دانستہ نادانستہ گریزاں ہیں۔ ایسے میں آپ کی یہ گراں قدر اور حوصلہ افزا کوشش نیز ذمہ داران مدرسہ کا تعاون آپکی خوش بختی کی دلیل اور ہمارے لئے امید کی کرن ہے۔

آپ کے اس مجلہ کو پڑھنے کے بعد بجا طور پر میرا یہ احساس ہے کہ آپ نے انتھک جدوجہد کی ہے اور یہ سلسلہ برابر جاری رہا تو ان شاء اللہ یہ میدان عنقریب آپکے قبضے میں ہوگا پورے مجلے میں مضامین کی جو گوناگونی اور بوقلمونی نظر آئی اس سے تو دل باغ باغ ہوگیا اور یہ محسوس کرکے یک گونہ مسرت ہوئی کہ آپکی نظر ہمہ جہت ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ آپ کی صلاحیتوں کو دن دونی رات چوگنی ترقی دے۔ آمین۔

چند قابل توجہ امور | جس طرح آپ نے انگریزی اور عربی کیلئے کچھ صفحات مختص کئے تھے اسی طرح ہندی کیلئے بھی ہونا چاہئے تھا کیونکہ موجودہ سماج میں ہر ہر قدم پر ہمیں اس سے

جینیوں کا عقیدہ[۱] ہے کہ ان کے مذہبی اصولوں کی تعبیر وتشکیل چوبیس[۲] تیرتھنکروں نے کی ہے جو وقتاً فوقتاً عوام کی اصلاح کیلئے دنیا میں آتے رہے۔ ان رہنماؤں میں پرشوناتھ اور مہاویر (فاتح اعظم) سب سے زیادہ مشہور ہوئے۔ پرشوناتھ[۳] کے دو سو پچاس[۴] سال بعد مہاویر کی ولادت ویشالی کے قریب کنڈ گرام نامی گاؤں میں ہوئی تھی۔ ان کے والدین امیر تھے چنانچہ انکی تعلیم وتربیت شاہزادوں کی طرح ہوئی لیکن تیس[۵] سال گھریلو زندگی گزارنے کے بعد وہ تارک الدنیا ہوگئے۔ کافی عرصہ غور وفکر اور مشق وریاض کے صلے میں انہیں معرفت حاصل ہوئی۔ انہوں نے ملک کے کونے کونے میں اپنے ایمان وعمل کی روشنی پھیلائی اور بہتر[۶] سال کی عمر میں ضلع پٹنہ کے پاواپری کے مقام پر وفات پائی۔ مہاویر نے پارشوناتھ کی چار تعلیموں میں پاکبازی، کا اضافہ کیا اور ساری زندگی جین مذہب کے اصولوں کی پابندی میں صرف کردی۔

جین مذہب خالق کائنات کے تصور سے عاری ہے۔ اس کے خیال میں اس دنیا کو چلانے والی کوئی ذات نہیں ہے۔ بلکہ انسان کی روح میں جو طاقتیں مخفی ہیں پرماتما ان کا بہترین، بلند ترین اور مکمل مظہر ہے[۷] یعنی بدھ دھرم کی طرح جین مذہب بھی مائل بہ الحاد ہے۔

جین مکتب فکر وید کو الہامی نہیں مانتا اور نہ ہی کسی مذہبی کتاب کو آسمانی صحیفہ تسلیم کرتا ہے۔

اس مذہب کا عقیدہ ہے کہ کائنات کا ہر ذرہ جاندار ہے۔ اس میں حسی قوت موجود ہے۔ انکے نزدیک کسی جاندار کی جان لینا سب سے بڑا گناہ ہے۔ اس تصور کے پیش نظر جینیوں نے اہنسا کی پاسداری کو سب سے بڑی عبادت کا درجہ دے دیا۔ اس میں وہ انتہائی حدود کو بھی پار کرگئے۔ تاریخ میں ایسی مثالیں موجود ہیں کہ جین راجانے جانوروں کے قاتل کو پھانسی کی سزا دی ہے۔

جین مذہب کا انحصار کرم (فعل) پر ہے جینی خود کو دنیاوی لذتوں اور آتما شنوں

---

۱ ALL ABOUT HINDUISM P. 18 90

۲ قدیم ہندوستان کی تاریخ، راما شنکر ترپاٹھی مترجم سید تقی حسن نقوی ص۲۳ ۱۹۸۱ء ترقی اردو بیورو نئی دہلی۔

۳ ہندوستان کا شاندار ماضی، اے ایل باشم مترجم ایس غلام سمنانی ص۹۵ ۱۹۹۲ء ترقی اردو بیورو

۴ قدیم ہندوستان کی تاریخ ص۱۲۰

بقیہ ص۴۸ پر

واسطہ پڑتا ہے۔ دعوتی و تبلیغی نقطۂ نظر سے بھی مخاطب کی زبان جاننا اور اسی میں دعوت حق پیش کرنا نہایت ضروری ہے۔ خود انبیاء کرام جس قوم میں آتے انہیں کی زبان میں خطاب کرتے۔ اسی لحاظ سے ہمیں بھی ہندی زبان کی طرف خصوصی توجہ دینی چاہیے۔ افسوس کہ عام طور سے ہمارے دینی مدارس کو اسکی ضرورت کا احساس نہیں۔

۲۔ صفحہ ۹ پر یہ پیراگراف شدت کے ساتھ کھٹکا "مذکورہ تاریخی شواہد کی روشنی میں ہم یہ فیصلہ کرنے میں حق بجانب ہوں گے کہ بابر ایک سیکولر مزاج، عادل اور رواداربادشاہ تھا اور درج ذیل شعر کا مصداق تھا" ؂

مری گلی کے شوالے میں کیرتن بھی ہو
ترے پڑوس کی مسجد میں بھی اذاں رہے

اس میں بابر کو سیکولر مزاج ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے ایسا لگتا ہے کہ اغیار کے بے جا اعتراضات کے دباؤ میں آکر مرعوبانہ ذہنیت کیساتھ ایسا کرنے کی کوشش کی گئی ہے حالانکہ مخالف کے اعتراضات سے پریشان ہوکر اس طرح دوسری غلط انتہا ؤں تک پہونچ جانا کسی طرح صحیح نہیں ہے جو حقیقت ہو اسے ہی پیش کرنا چاہیے اور یہاں اسکا خیال نہیں رکھا گیا ہے کیونکہ سیکولر کے معنی لادینی اور غیر مذہبی کے ہیں اور سیکولر مزاج کا مطلب یہ ہے کہ جو لادینی اور غیر مذہبی ذہن رکھتا ہو حالانکہ صحیح صورت یہ نہیں ہے بلکہ صحیح صورت یہ ہے کہ وہ موحد مسلم تھا اور اسلام میں جو رواداری ہے اس کے مظاہر اس کے یہاں بھی موجود تھے۔

۳۔ صفحہ ۔۔ پر لکھا گیا ہے "لفظ متقی وقی یقی سے اسم فاعل ہے" حالانکہ وہ اتقی یتقی سے اسم فاعل ہے۔ اس قسم کی فحش غلطیاں انتہائی دردناک ہیں۔ اور وہاں کے معیار تعلیم کے سلسلے میں تشویش میں مبتلا کرتی ہیں۔

۴۔ صفحہ ۲۲ پر ایک شعر نقل کیا گیا ہے ؂

ہزاروں سال میں بس یاد ہے داستاں ان کو
کہ عالمگیر ہندو کش تھا ظالم تھا ستمگر تھا

یہ شعر علامہ شبلی کا ہے اور یوں ہے ؂

تمہیں لے دے کے ساری داستاں میں یاد ہے اتنا
کہ عالمگیر ہندو کش تھا ظالم تھا ستمگر تھا

گویا پہلا مصرعہ الٹ پلٹ گیا ہے۔

۵۔ صفحہ ۔۔ پر ایک محاورہ نقل کیا گیا ہے "الاهمية ماشهدت به الاعداء" اس محاورہ میں الاهمية کا لفظ نہیں ہے بلکہ الفضل کا لفظ ہے یعنی محاورہ اصلاً یوں ہے "الفضل ماشهدت به الاعداء"

۶۔ صفحہ ۔۔ پر مختلف صوبوں کے علماء اہل حدیث کی علم حدیث کے سلسلے میں خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا گیا ہے "یوپی کے سید نذیر حسین محدث دہلوی" حالانکہ سید نذیر حسین محدث بہار کے رہنے والے تھے ان کا وطن موضع تھوٹ پور ناحیہ سورج گڑھا ضلع مونگیر بہار تھا۔ عرصہ دراز تک دہلی میں رہنے اور خاندان ولی اللہی کے مسند درس پر متمکن ہونے کی وجہ سے آپ "محدث دہلوی" کہے جانے لگے اور اسی نام سے مشہور ہوئے۔ (ملاحظہ ہو ماہنامہ رفیق پٹنہ علمائے بہار نمبر جنوری و فروری ۱۹۸۷ء ج ۷ ش ۱-۲ ص ۲۶)

۷۔ بعض مقامات آیات و احادیث اور عربی عبارتوں کے ترجمے میں فحش غلطیاں بھی نظر آئیں مثلاً صفحہ ۳۶ پر بچیوں کی تعلیم و تربیت پر توجہ دینے کی فضیلت کے سلسلے میں ایک حدیث نقل کی گئی ہے جس کا آخری جملہ ہے "ادخله الله بها الجنة" جس کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے "تو ایسا شخص قیامت کے روز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہوگا" حالانکہ اس عبارت کے سیاق و سباق اور خود الفاظ کے لحاظ سے صحیح ترجمہ یہ ہے "تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ اس بچی کے ساتھ جنت میں داخل کرے گا"

۸۔ املا اور کتابت کی بھی بے شمار غلطیاں ہیں انکی اصلاح کی طرف بھی بھرپور توجہ دی جانی چاہیے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

صفحہ	غلط	صحیح	صفحہ	غلط	صحیح
۲۱	برجانہ	حرجانہ	۴۷	وصول	اصول

بقیہ ص ۴۱ پر

غزلیں

ابوالمجاہد زاہد

کوئی دیوار ہی نہ در نکلا
سحر بھی سحر بے اثر نکلا

وہ بشر تو عجیب تر نکلا
جب نچوڑا گیا تو شر نکلا

خشت باری میں جس پہ کرتا تھا
نشانہ تو مرا گھر نکلا

کچھ نہ کام آئی گریہ و زاری
وہ تو سورج تھا وقت پر نکلا

جس کو جائے پناہ سمجھا تھا
فتنہ گر کا وہی نگر نکلا

تھا پرندے کا گھونسلا خالی
بس لہو میں تر ایک پر نکلا

چیخ مظلوم کی سنی نہ گئی
قول ظالم کا معتبر نکلا

حملہ آور ہوا تھا جو اس پر
اس کا لخت دل و جگر نکلا

دن کو سورج سے اس نے زینت دی
رات کو ضوفشاں قمر نکلا

وہ تو اشک بہار تھا زاہد
پھول کھلتے گئے جدھر نکلا

اختر جلالپوری، مئو

زندگی غم سے جو بھر آئی ہے
غم دوراں تری رسوائی ہے

برق شاید کہیں لہرائی ہے
ترے ہونٹوں پہ ہنسی آئی ہے

آپ نے زلف جو بکھرائی ہے
جیسے ساون کی گھٹا چھائی ہے

مستی کیف و جوانی اختر
تری آنکھوں میں اتر آئی ہے

کتنا پر کیف ہے ترا خیال
چاندنی رات ہے تنہائی ہے

منفرد کیا ہے تمہیں پر اختر
ایک عالم ترا شیدائی ہے

اخبار علمیہ

ابن عالم فلاحی

اقلیتوں پر ہندو تہذیب مسلط کرنے کی کوشش

اتر پردیش کے وزیر تعلیم شری راج ناتھ سنگھ نے سیکولرزم کو ایک ڈھونگ بتاتے ہوئے کہا کہ ریاست میں انٹرمیڈیٹ درجہ تک کے طلبہ کو اب سیکولرزم کے بجائے مذہبی تعلیم دی جائے گی۔

شری سنگھ نے نامہ نگاروں کو بتایا کہ مذہبی تعلیم دینے کے مقصد سے اسباق میں وسیع پیمانہ پر تبدیلی کی گئی ہے انہوں نے کہا کہ تعلیم کو ثقافتی اور قدیم ہندوستانی تہذیب کے مطابق بنانے کیلئے ویدک حساب کی پڑھائی شروع کی گئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر یہ کام پہلے کیا گیا ہوتا تو آج ملک میں تعلیم کا معیار بہت بلند ہوتا۔

وزیر تعلیم نے کہا کہ تاریخ کے اسباق میں کی گئی تبدیلی کے تحت طلباء کو اب یہ بتلایا جائیگا کہ آریہ باہر سے نہیں آئے تھے[1] بلکہ وہ ہندوستان ہی کے اصل باشندے تھے۔ اس کے علاوہ سنسکرت کی تعلیم دینے کے علاوہ دسویں اور بارہویں درجوں میں ہندی کا ایک پرچہ پوری طرح سنسکرت میں ہوگا

انہوں نے کہا کہ تاریخ میں ابھی تک ہندوستان پر حملہ کرنے والوں کا مقابلہ کرنے والے ہندوستانیوں کو مناسب مقام نہیں دیا گیا ہے۔ اس کمی کو درست کیا جائیگا۔

---

[1] یہ ایک امر مسلمہ کو جھٹلانے کی کوشش ہے۔ ثابت شدہ تاریخی حقیقت ہے کہ آریہ وسطی ایشیا سے ہندوستان پر حملہ آور ہوئے تھے اور انہوں نے یہاں کے قدیم باشندوں، کول، بھیل، سنتھال، گونڈ وغیرہ کو جنگلوں میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا تھا اور آج بھی ان غریبوں کا ٹھکانا بڑی حد تک کوہستان و بیابان ہی ہیں۔ (ابن عالم)

کارڈنیل جیومیٹری — ایک انوکھی ایجاد

مدراس سے ابھرنے والے یہ مہندس (جیومیٹری داں) مسٹر ایم۔ احمد ہیں، جنہوں نے ابھی حال ہی میں کارڈنیل جیومیٹری ترتیب دی ہے جو اس میدان میں ایک انوکھی تحقیق اور اضافہ ہے۔ تقریباً ۲۵۰ صفحات پر مشتمل اس تحقیق میں احمد نے اپنے برسوں کے فارغ اوقات صرف کئے ہیں۔

مگر یہ کارڈنیل جیومیٹری کیا ہے؟ احمد اس کے جواب میں یہ سوال کرتے ہیں کیا آپ ریاضی کے کسی مسلمہ فارمولے (اقلیدس) کی مدد سے ایک انڈا کا خاکہ تیار کر سکتے ہیں جواب نفی میں ہوگا مگر کارڈنیل جیومیٹری کے ایک مسلمہ فارمولے کی مدد سے آپ انڈہ کا خاکہ تیار کر سکتے ہیں اس کے لئے انہوں نے کارڈنیل کو آرڈی نیٹ ترتیب دیئے ہیں جواب تک موجود کارٹیزین کو آرڈی نیٹ کے مقابلے میں کئی نئی جیامیٹریکل اشکال کو جنم دے سکتے ہیں اور کسی بھی دائرہ یا دائرہ نما شکل کی پیمائش کے فارمولے تیار کرتے ہیں۔ مددگار ہو سکتے ہیں۔

کارڈنیل کو آرڈی نیٹ دراصل دو قطبی (BIPOLAR) کو آرڈی نیٹ ہیں جن کی مدد کسی سہ پہلوی (3-DIMENSIONAL) رقبہ کی پیمائش ممکن ہے۔ اس طرح کی قسم کی متوازی و متناسب گھماؤدار (SYMMETRICAL) ساختیں جن کی اب تک پیمائش اور کاغذ پر خاکہ نگاری ممکن نہ تھی اس نئی جیومیٹری میں ممکن ہوں گی۔

مسٹر احمد کے مطابق کارڈنیل جیومیٹری کا استعمال آرٹ، فن تعمیر، کپڑوں پر نقش نگاری دھاتوں کی اشیاء بنانے میں عملی طور پر ہوگا جب کہ مقناطیسی عمل ذرات کی نقل و حرکت اور علم الفلکیات کے مطالعہ میں کیا جا سکے گا۔ اور ان تمام میدانوں میں ہو رہی نقش نگاری یا طبعی عمل کو فارمولہ کا پابند بنایا جا سکے گا۔

احمد کی تحقیق کی ابتداء انڈے کے رقبہ کی پیمائش کے فارمولے کی تلاش سے ہوئی تھی رفتہ رفتہ گول اور خمدار سطحوں کی پیمائش کے نئے زاویئے ابھرتے چلے گئے اور انہوں نے جیومیٹری کی پوری نئی کتاب مرتب کر ڈالی۔ پچھلے برس اس کتاب کا اجراء مدراس میں ایک پر اثر تقریب میں مدراس یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر صادق کے ہاتھوں عمل میں آیا

(سہ روزہ دعوت نئی دہلی ۱۲ جولائی ۸۹ء ص۵) بقیہ ص

مستقبل کے ٹیلی فون

اگر آپ کسی راہ گیر کو ہلکا پھلکا سفری ٹیلیفون پر بات کرتے دیکھیں تو حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔ البتہ آپ کسی بڑے شہر میں ہوں جہاں تجرباتی وائرلیس ٹیلیفون کی آزمائش کی جا رہی ہو تو اسے ایک نظر بھر کر ضرور دیکھیں۔ یہ فون عینک کے خول جتنا بڑا اور سیکولر فون سے بہت ہلکا پھلکا اور سستا ہوگا۔

ایسے فون کی ہر ملک میں مانگ بڑھی اور چار سے چھ کروڑ امریکی جن کی کاروباری اور گھریلو ضرورتیں آئندہ دس سال کے اندر ان نئی ٹیکنالوجیوں سے کما حقہ فائدہ اٹھا سکیں گی اور وہ بھی قلیل اخراجات پر ان سے بہت جلد مستفید ہونے کیلئے بیتاب دکھائی دیتے ہیں۔ سب سے سستے اور کم قیمت والے فون کو نئی ٹی جے۔ ڈی (؟) کے ٹیلیفون کی دوسری نسل کہتے، اسے پیدل چلنے والے سڑکوں، ہوائی اڈوں، جلسے جلوسوں دکانوں اور دفاتر میں استعمال کیا جا سکے گا۔

خریدار پیغام سن نہ سکیں گے بلکہ ایک چھوٹے سے آلہ کے ذریعہ کم طاقت کی برقی رو پہنچانے والے اسٹیشنوں کی معرفت پیغامات روانہ کر سکیں گے۔ سگنل ڈیجیٹل عام میں ہوگا۔ اور صاف صاف سنائی دیا کرے گا۔ چونکہ سی ٹی جے پیغامات روانہ کر سکتے اور وہ بھی سیکولر فون سے ۱/۲ کم برقی قوت پر، اس لئے استعمال کی جانے والی بیٹریاں اسے آپ کو آٹھ گھنٹے بات کرنے کی اجازت دے سکیں گی۔

برطانوی سی ٹی جے سسٹم کو خاطر خواہ کامیابی نصیب نہ ہوئی۔ مگر امریکی تیار کنندگان نے ہمت نہیں ہارے اور برطانیہ والوں کی ناکامی کو غیر متوازن منصوبہ بندی اور صحیح طور پر عمل نہ کرنے کو ذمہ دار ٹھہرایا۔ دوسرے یہ فون اس وقت صحیح کام کرتے جب استعمال کنندہ ٹیلی پوائنٹ ٹرانسمیٹر سے دو سو فٹ کے اندر ہو

(سہ روزہ دعوت ۴ اگست ص۵)

بقیہ تعارف و تبصرہ

صفحہ	غلط	صحیح	صفحہ	غلط	صحیح
۱۶	اصول	وصول	۱۲۱	بصری	بصرہ
۱۳۱	موضع القرآن	موضح القرآن	۱۳۲	الرفیق	رفیق
۱۵۲	بذل المجہول	بذل المجہود	۱۸۱	مجلل	مجمل
۱۹۴	ذلا	ذلک	۲۰۱	[illegible]	[illegible]

مذکور، لاہور کی نشاندہی بھی صرف اصلاح حال کی غرض سے کی گئی ہے امید کہ آئندہ اس کا لحاظ کیا جائیگا

محمد اسماعیل فلاحی

جامعہ کے لیل و نہار

ڈاکٹر لقمان احمد اعظمی صاحب کا توسیعی لکچر

تعلیم و تربیت میں بہتری لانے کیلئے جامعہ کی جانب سے وقتاً فوقتاً دانشوروں کے توسیعی لکچر کا اہتمام ہوتا رہتا ہے گذشتہ شمارہ میں ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے لکچر کا ہم تذکرہ کر چکے ہیں۔

۲۳ر اگست ۹۲ء کو ڈاکٹر لقمان احمد صاحب ندوی اعظمی کا طلبہ سے خطاب ہوا۔ موصوف بی بی پور مئو کے رہنے والے ہیں۔ ندوہ سے فراغت کے بعد جامعہ ازہر اور قاہرہ یونیورسٹی مصر میں بھی زانوئے تلمذ تہ کیا ہے۔ اس وقت ہائل سعودیہ میں ایک ٹیچر ٹریننگ کالج میں استاد ہیں۔ دراسات فی الحدیث النبوی، اور مجتمع المدینۃ فی عہد الرسول آپکی گرانقدر تصنیفات ہیں۔

موصوف نے طلبہ کے سامنے اجتماعیت سے چمٹے رہنے پر زور دیا اور کہا ہم میں کا ہر آدمی قائد و امیر جماعت کا ضرورتمند ہے حتیٰ کہ نبیؐ کے قائد بھی جبرئیل امینؑ تھے۔ حضورؐ کی پوری زندگی عبادت کی تصویر ہے۔ عبادت کا ایک وسیع تصور تھا۔ آپ فرداً فرداً جماعت کے ایک ایک فرد سے واقفیت رکھتے تھے، غزوہ تبوک میں ہزاروں جاں نثار موجود تھے پھر بھی جو تھوڑے سے افراد رہ گئے تھے، ان کے سلسلہ میں آپ کو بے چینی لاحق ہوئی۔ انکے لئے دعائیں کیں۔ اس جنگ میں پیچھے رہ جانے والے منافقین کو تو آپ نے چھوڑ دیا لیکن کعب بن مالک، مرارہ ابن ربیع اور ہلال بن امیہ جیسے مخلصین کی سخت گرفت فرمائی، جس سے اجتماعیت اور نظم جماعت سے چمٹے رہنے کی انتہا درجہ اہمیت معلوم ہوتی ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی ایک نشست اساتذہ اور کارکنان جامعہ کے ساتھ ہوئی۔ اس نشست میں طریقہ تدریس پر آپ نے کھل کر گفتگو کی اور لکچر کے بجائے طلبہ کے ساتھ مذاکرہ اور سوال و جواب کی اہمیت اور ایک ایک طالب علم سے الگ الگ دلچسپی لینے پر بہت زور دیا آپ کا کہنا تھا کہ طالب علم کو استاذ سے بے انتہا قربت محسوس کرنی چاہیئے۔ لوگ طریقہ تدریس مغربی مفکرین کے پاس ڈھونڈتے ہیں۔ حالانکہ اسلام اس معاملہ میں کسی کا محتاج نہیں ہے۔ حدیث جبرئیل اور بعض دوسری احادیث کی روشنی میں آپ نے اسلام کے طریقہ تدریس پر روشنی ڈالی۔

ڈاکٹر عبدالحق انصاری کی جامعہ آمد

یہ ہمارے لئے خوشی کی بات تھی کہ "مقصد زندگی کا اسلامی تصور"، "اسلام اور قومی یکجہتی"، "صوفی ازم اینڈ شریعۃ" (انگریزی)، "ابن مسکویہ کا فلسفہ اخلاق" (انگریزی)، "فارابی کا نظریہ اخلاق" (انگریزی)، "شرح عقیدہ طحاویہ کا انگریزی ترجمہ (شارح ابن ابی العز الحنفی) اور دوسرے بہت سے مقالات کے مصنف اور مرکزی مجلس شوریٰ جماعت اسلامی ہند کے سابق رکن جناب ڈاکٹر عبدالحق انصاری ۱۹ر اگست کو جامعہ تشریف لائے۔ جامعہ سے ان کا دیرینہ تعلق ہے۔ ڈاکٹر صاحب پرانی تھکوپی، دیوریا میں ۱۹۳۱ء میں پیدا ہوئے تھکوپی میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اسلامیہ انٹر کالج گورکھپور سے انٹرمیڈیٹ کیا۔ دوسرے بہت سے اسلام پسند نوجوانوں کی طرح انہوں نے انگریزی درسگاہوں کو قتل گاہ سمجھ کر اپنی تعلیم وہاں سے منقطع کر لی۔ ایک سال ندوۃ العلماء لکھنؤ میں رہ کر ثانوی درسگاہ رامپور میں داخلہ لیا۔ تین سال وہاں رہے۔ پھر جماعت اسلامی کے مشورہ پر مولانا اختر احسن اصلاحی مرحوم سے استفادہ کی غرض سے مدرسۃ الاصلاح سرائمیر میں ۸ ماہ قیام کیا۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا اختر احسن اصلاحی مرحوم کے علاوہ مولانا جلیل احسن ندویؒ، مولانا صدر الدین اصلاحی، مولانا عبد السلام قدوائیؒ اور مولانا عبد الغفار صاحب ندوی شامل ہیں

دوبارہ عصری علوم کی تحصیل کیلئے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا رخ کیا۔ وہاں سے بی اے

اور ایم اے کے بعد فلسفہ میں پی ایچ ڈی کی بعد ازاں دہلی میں اسلامی اخلاقیات پر تین سال تک تحقیق کرتے رہے پھر وشو بھارتی شانتی نکیتن میں لکچرر کی حیثیت سے تقرری عمل میں آئی۔ ایک سال بعد ریڈر بنے اور اسلامیات کے ہیڈ مقرر کئے گئے۔ اسی دوران ۱۹۵۸ء میں یالے یونیورسٹی امریکہ سے مقارنۃ الادیان میں ایم اے کیا۔ ۱۹۷۸ء میں شانتی نکیتن چھوڑنے کے بعد جامعۃ ام درمان الاسلامیہ، سوڈان میں ۱۹۸۱ء کے آخر تک اور طہران یونیورسٹی میں ۱۹۸۲ء سے ۱۹۸۵ء کی ابتدا تک تدریس کے فرائض انجام دیئے اس کے بعد سے تا حال جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ ریاض میں شعبہ تحقیق سے متعلق ہیں اور اقامت دین کی مہم میں سرگرم کردار ادا کر رہے ہیں۔

ڈاکٹر عبد الحق انصاری صاحب کی آمد پر امتحانی مصروفیتوں کی بنا پر طلبہ کا پروگرام نہ رکھے جانے کا طلبہ کو افسوس رہا۔ البتہ اساتذہ کے ساتھ ایک مفید نشست رہی جو موصوف نے تصوف پر اظہار خیال فرمایا۔ انکے خیال کے مطابق تصوف کے نام پر ایسی چیزیں بھی در آئی ہیں جن کا اسلام سے کوئی جوڑ نہیں جبکہ اس میں ایسی بھی چیزیں ہیں جو اسکے دائرے میں آتی ہیں۔ تصوف کے بعض پہلوؤں کو ڈاکٹر صاحب نے سراہا اور تحسین بھی کی۔ وقت کی کمی کے باعث بہت سے پہلو تشنہ چھوڑ کر ڈاکٹر صاحب رخصت ہو گئے۔ سفر میں ڈاکٹر صاحب کے خیالات سے استفادہ کا موقع ملا۔ برادر مکرم مولانا نعیم الدین اصلاحی بھی ساتھ تھے۔ تصوف کے علاوہ اسلام میں مرتد کی سزا، پردے کا مفہوم، ہندوستان میں ملت اسلامیہ کے دفاع کا معاملہ، تحریک اسلامی ہند کی انتخاب میں شرکت اور دوسرے بہت سارے موضوعات پر گفتگو رہی۔ مختلف آیتیں اور احادیث زیر بحث آئیں۔ اور اس طرح یہ سفر بڑا کامیاب رہا۔

دہلی اور بمبئی یونٹوں کی رپورٹیں

برادر محترم حکیم عبد الباری فلاحی صدر انجمن طلبہ قدیم دہلی یونٹ رقمطراز ہیں کہ جامعہ ملیہ کے حالات کی ابتری کی وجہ سے جون و جولائی میں انجمن کی کوئی میٹنگ نہیں ہو سکی۔ ۱۱ اگست ۱۹۹۲ء کو جامعہ ملیہ کی مسجد میں ایک میٹنگ رکھی گئی جس میں

درج ذیل امور طے پائے

۱۔ جامعۃ الفلاح کی فضیلت کی ڈگری کو جامعہ ملیہ اسلامیہ میں بی اے کے مساوی تسلیم کرانے کیلئے برادر فیروز ملک اور برادر فیاض احمد پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جسے ۲۰ اگست تک الحاق کے سلسلے میں مکمل معلومات حاصل کر کے صدر کو اس سے آگاہ کرنا ہے۔ نیز الحاق سے متعلق کاغذات جامعۃ الفلاح سے حاصل کرنے کا کام صدر انجمن نسیم احمد غازی صاحب کے سپرد کیا گیا۔

۲۔ جامعہ ملیہ میں داخلہ کے خواہشمند فارغین جامعۃ الفلاح کے تعاون اور انہیں معلومات فراہم کرنے کیلئے برادر قیصر پرویز (مرکز ایس، آئی، ایم) برادر امتیاز احمد (ایس، آر، کے، ہاسٹل کمرہ نمبر ۲۰۵) برادر فیاض احمد (ایس، آر، کے، ہاسٹل کمرہ نمبر ۵) اور برادر شکیل احمد (مرکز ایس، آئی، او) پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل پائی۔ داخلہ کے خواہشمند فلاحی طلبہ ان سے ربط قائم کر سکتے ہیں۔

۳۔ سمینار کے موضوع کی اہمیت کے پیش نظر ایک تجویز یہ بھی آئی کہ سمینار کا وقت ایک دن کے بجائے اب دو دن کر دیا جائے۔ شوریٰ انجمن نے اسے منظور کر لیا۔ دہلی یونٹ کی اگلی نشست ۱۳ ستمبر کو مرکز جماعت ابو الفضل انکلیو میں ہوگی۔

بمبئی یونٹ کے صدر برادر ڈاکٹر عبد القوی فلاحی لکھتے ہیں کہ یہاں فارغین جامعہ کے اندر اجلاس میں شرکت کیلئے بڑا جوش و خروش پایا جاتا ہے وہ اجلاس کو کامیاب بنانے کی ہر ممکن سعی کر رہے ہیں

مولانا صدر الدین اصلاحی صاحب کی صحت

ممتاز عالم دین مولانا صدر الدین صاحب اصلاحی سابق ناظم جامعہ اب ماشاء اللہ رو بصحت ہیں۔ گزشتہ ماہ پیشاب میں تکلیف شدت اختیار کر گئی تھی۔ مقامی اور لکھنؤ کے ڈاکٹروں کے زیر علاج رہنے کے بعد اس وقت آپ مرکزی مکتبہ، چتلی قبر (سابق مرکز جماعت اسلامی ہند) دہلی میں تشریف رکھتے ہیں۔ پہلے تو ڈاکٹروں نے پراسٹیٹ کے آپریشن کا فیصلہ کیا تھا لیکن اب آپ ہومیو پیتھک ڈاکٹر محمد خالد صاحب اعظمی کے

زیر علاج ہیں اور الحمد للہ بہتر افاقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ موصوف کو صحت عاجلہ و کاملہ عطا فرمائے۔

انجمن کی شوریٰ اور جامعہ کی منتظمہ کا اجلاس

۳ر ستمبر ۹۲ء کو انجمن کی شوریٰ کا اجلاس شروع ہوا اور ۴ر ستمبر کی دوپہر تک چلتا رہا۔ اجلاس عام کا تفصیلی پروگرام طے پایا اور دیگر ضروری امور زیر بحث آئے۔ اگلا اجلاس ۲۷ر اکتوبر ۹۲ء کو جامعہ میں بعد نماز مغرب شروع ہوگا۔ طے پایا کہ اجلاس عام کے تنظیمی سیشن میں وہی تجویزیں اور مشورے زیر غور آئیں گے۔ جو ۲۶ر اکتوبر ۹۲ء تک لازماً تحریری شکل میں سکریٹری انجمن کو موصول ہو جائیں۔

وفود انجمن

اعظم گڑھ، مئو، بنارس، مولانا محمد عمران صاحب فلاحی
گورکھپور، بستی، گونڈہ، مولانا مقبول احمد صاحب فلاحی
بمبئی، مولانا رحمت الاثری صاحب فلاحی، مولانا انور محمد صاحب فلاحی، مولانا اظہار احمد صاحب فلاحی، قاری قربان احمد صاحب،

معلوم ہوا ہے کہ ۱۰ر اکتوبر ۹۲ء کو جامعہ میں جامعہ کی مجلس منتظمہ کا اجلاس رکھنا طے پایا ہے۔ فلاحی برادران سے ربط پیدا کرنے اور فنڈ فراہمی کیلئے مختلف وفود بھی تشکیل دیئے گئے۔

ملحقہ مدارس میں امتحان کا معاینہ

جامعہ سے ملحق مدارس کا امتحان جامعہ کے نمائندہ کی موجودگی میں ہوا کرتا ہے۔ کبھی کبھی اس کے علاوہ جامعہ کی طرف سے کوئی وفد اچانک پہونچ کر جائزہ بھی لیتا ہے۔ اس وقت ملحقہ مدارس کے مرکز امتحان مصباح العلوم چوکونیاں، بھارت بھاری، سدھارتھ نگر میں، جامعہ کے نمائندے ناظم مکاتب و مدارس مولانا صباح الدین ملک فلاحی قاسمی، کی نگرانی میں امتحان ہو رہا ہے۔ ۱۶ر ستمبر ۹۲ء کو صدر جامعہ کی قیادت میں مولانا مطیع اللہ فلاحی صاحب، مولانا مشتاق احمد فلاحی اور راقم پر مشتمل ایک وفد امن سنٹر اور دیگر ملحقہ اداروں کے دوران امتحان اچانک پہونچا اور امتحانی امور کا بنظر غائر مطالعہ کیا۔ ضروری ہدایات اور مشورے دیئے۔

پروگرام اجلاس عام

بتاریخ ۲۸، ۲۹، ۳۰ر اکتوبر ۱۹۹۲ء بمقام جامعۃ الفلاح

۲۸ر۱۰ر۹۲ء بروز چہارشنبہ

پہلا سیشن:- ۹ تا ۱۱½ بجے دن

تلاوت کلام پاک مع ترجمہ، ترانہ جامعہ، افتتاحی کلمات، خطبہ استقبالیہ مع ضروری ہدایات، خطبہ صدارت، رپورٹ انجمن طلبہ قدیم، فارغین جامعہ کا تعارف بھرے ہوئے فارم کے ذریعہ،

:- وقفہ برائے کھانا و نماز ظہر :-

دوسرا سیشن:- ۲½ تا ۳½ بجے دن

مقالہ بعنوان "فارغین جامعہ ایک نظر میں" صدارتی تاثرات،

:- وقفہ برائے نماز عصر :-

جمعیۃ الطلبہ کا پروگرام عصر تا مغرب

:- وقفہ برائے نماز مغرب و کھانا :-

تیسرا سیشن:- ۸ تا ۱۰½ بجے رات

ترانہ جامعہ، خطاب عام بعنوان "اصلاح معاشرہ اور تعلیم" صدارتی خطاب،

۲۹ر۱۰ر۹۲ء بروز پنجشنبہ

درس قرآن،

:- وقفہ برائے ناشتہ :-

پہلا سیشن:- سمینار "ملک و ملت کی تعمیر اور دینی مدارس" ۸½ تا ۱ بجے دن

:- وقفہ برائے کھانا و نماز ظہر :-

دوسرا سیشن:- سمینار "ملک و ملت کی تعمیر اور دینی مدارس" ۲½ تا ۴ " "

وقفہ برائے نماز و کھانا وغیرہ۔

تیسرا سیشن :- سمینار "ملک و ملت کی تعمیر اور دینی مدارس" ۸ تا ۱۱ بجے رات
۱۰/۳۰/۹۳ء بروز جمعہ

درس حدیث

:- وقفہ برائے ناشتہ :-

پہلا سیشن :- سمینار "ملک و ملت کی تعمیر اور دینی مدارس" ۸ تا ۱۱ بجے دن

:- وقفہ برائے کھانا و نماز ظہر :-

دوسرا سیشن :- تنظیمی نشست ۲ بجے دن تا نماز مغرب
صدر و شوری کا انتخاب، جائزہ و سوال و جواب، تجاویز و مشورے بسلسلہ جامعہ و انجمن۔

چوتھا سیشن :- ادبی نشست بعد نماز عشاء

بقیہ جین مذہب

سے محروم رکھتے اور طرح طرح کی ریاضتوں سے اپنے جسم کو ایذا پہنچاتے ہیں۔ یہاں تک کہ فاقہ کشی یا کسی اور ریاضت سے اگر انکی جان بھی چلی جائے تو انہیں پرواہ نہیں، بلکہ اس سے ان کا حق عبادت مکمل ہو جاتا ہے۔ مشہور ہے کہ مہابیر کی وفات ان کے اختیار کردہ فاقہ سے ہوئی تھی۔ انکا عقیدہ ہے کہ جسمانی ایذا رسانی سے روح کی کثافت دور ہوتی ہے اور ایسا کرنے والے کو نجات حاصل ہو جاتی ہے۔

یہ بات محل نظر ہے کہ جین مذہب کے بنیادی اصولوں میں "مادہ سے مکمل اجتناب" کو بنیادی اصول کا درجہ دیا گیا تھا، لیکن آج[1] کے جین حضرات مادی ترقی کو زندگی کا حاصل تصور کرتے ہیں۔ چنانچہ اپنی اسی صفت کے باعث یہ لوگ ہندوستان میں امتیازی حیثیت کے مالک سمجھے جاتے ہیں۔ صبح سویرے اٹھنا، محنت و مشقت کرنا، تن دہی سے روزی کمانا، تعلیم و تعلم سے گہری دلچسپی رکھنا، حفظان صحت کے اصولوں پر عمل کرنا انکی زندگی کا معمول بن گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ عموماً خوش حال، صحت مند اور تعلیم یافتہ ہوتے ہیں۔ انہوں نے وقت کے تقاضوں کو پہچانا اور اپنے عہد کی بدلتی قدروں پر نگاہ رکھی۔ جس میدان میں بیش از بیش ترقی کے امکانات دیکھے، اس کو گلے لگایا۔ اس طرح یہ لوگ ملک اور بیرون ملک ترقی کی راہوں پر گامزن ہیں۔

---

[1] ہندوستان کا شاندار ماضی صفحہ ۲۹

پریس ریلیز

۲۴/ستمبر ۹۳ء کو انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کی شوریٰ کی میٹنگ زیر صدارت مولانا نسیم غازی صاحب فلاحی جامعۃ الفلاح میں منعقد ہوئی۔ بطور خاص اجلاس عام اور سمینار کی تیاریوں کا جائزہ لیا گیا۔ الحمدللہ جوش و خروش سے ہر سطح پر تیاریاں جاری ہیں۔ اس موقع سے "ملک و ملت کی تعمیر اور دینی مدارس" کے عنوان پر ہونے والے سمینار میں مدعوئین کی حوصلہ افزائی اور فلاحی برادران کی خواہش کو دیکھتے ہوئے اس کے وقت میں اضافہ کا بھی فیصلہ کیا گیا۔ یعنی اس کا وقت ایک دن سے ۱½ دن کر دیا گیا۔

یہ بات یقیناً باعث مسرت ہے کہ تقریباً تمام ہی مدعوئین نے منظوری دیدی ہے۔ انشاءاللہ ہر لحاظ سے اپنی نوعیت کا یہ منفرد سمینار ہوگا۔ اسی میٹنگ میں اجلاس عام کے تفصیلی پروگرام کو آخری شکل بھی دی گئی جس کی جھلکیاں حسب ذیل ہیں۔

۱۔ درس قرآن و حدیث
۲۔ سمینار بعنوان "ملک و ملت کی تعمیر اور دینی مدارس"
۳۔ مقالہ بعنوان "فارغین جامعہ ایک نظر میں"
۴۔ جمعیۃ الطلبہ کا پروگرام
۵۔ تنظیمی نشست
۶۔ خطاب عام
۷۔ ادبی نشست وغیرہ

(شعبہ نشر و اشاعت اجلاس عام)